ماہنامہ
چاکن
مقامی حکومتوں میں کسانوں اور مزدوروں
(عورتوں، مردوں) کی آواز
صرف ممبران کے لیے
ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ، پاکستان جلد 2 ○ شمارہ 9-10 ○ ہنگامی ○ اپریل - مئی 2008ء

محنت کش اللہ کا دوست مگر....

زراعت پاکستان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت رکھتی ہے مگر اس سے وابستہ افراد کے حالات روز بروز تشویش ناک ہوتے جا رہے ہیں۔ طرہ امتیاز تو دیکھیے کہ آج تک کسی بھی پارٹی منشور میں غریب کسان و دیہی مزدور کی بہتری کے لیے کچھ بھی شامل نہیں کیا گیا۔ ان حالات میں کسانوں و دیہی مزدوروں اور سیاسی قائدین کے درمیان روابط قائم کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے ساؤتھ ایشیا پارٹنر شپ، پاکستان نے انتخابات سے کچھ دن پہلے ایک نشست کا اہتمام کیا جس میں مختلف سیاسی قائدین اور پاکستان بھر سے کسانوں مزدوروں نے شمولیت کی۔ تاریخیں انتخابات ہو چکے اور اس تحریر کے چھپنے تک حکومت بھی تشکیل پا جائے گی مگر ہم اس نشست کے دوران ہونے والی گفتگو کو پھر بھی آپ کی نذر کر رہے ہیں تاکہ آپ سب اپنے اپنے علاقے میں حلقوں نمائندگان کے ساتھ مکالمے کو جاری رکھتے ہوئے کسانوں مزدوروں سے متعلقہ پالیسی سازی کی طرف پیش رفت ممکن ہو:

مزدور کو سرکاری سطح پر مزدور تسلیم کرواتے ہوئے ترقی کے مواقع پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ مزید براں آج ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ ملک بھر میں اختلاف رائے کی جگہ قومی ترقی کی سوچ بوجھ پیدا کی جائے تاکہ ملک بھر کے کسانوں اور مزدوروں کو ترقی کی نوید سنا سکیں۔ اس مختصر سی گفتگو کے بعد محمد تحسین نے صوبائی سطح سے آئے ہوئے ساتھیوں کے نمائندگان کو اپنا اپنا موقف سیاسی قائدین کے سامنے پیش کرنے کے لیے مدعو کیا جنہوں نے درج ذیل مسائل پر بحث کی:

زرعی اصلاحات اور ٹیننسی ایکٹ: زرعی اصلاحات کے لیے ٹھوس اقدامات کیے جائیں کیونکہ ذوالفقار علی بھٹو نے ٹیننسی ایکٹ 1950ء میں ترمیم کی تھی کہ ہاری کو بے دخل نہیں کیا جا سکتا مگر افسوس اس پر عمل درآمد نہ ہو سکنے کی وجہ سے ہاری اور غریب کسان کو بے دخل کیا جا رہا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق 15 لاکھ غیر مسلم غلام جبری مشقت کرنے پر مجبور ہیں جسے ختم کروانے کی اشد ضرورت ہے۔ کسان

ہونی چاہیے مگر افسوس ایسا نہیں ہے۔ سندھ میں تھرپارکر میں کوئلہ کی کان ہے مگر اس کی رائلٹی نہیں دی جاتی۔ اسی طرح بدین سے تیل بھی نکلتا ہے۔ اس طرح کا حکومتی رویہ ملکی سالمیت کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔ صوبہ سرحد میں بمباری کی وجہ سے کسان مزدور سب سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں۔ ناقص نہری نظام کی وجہ سے کھیتی باڑی متاثر ہو رہی ہے۔ زرعی بینک غریب کو قرضہ نہیں دیتے۔ بے تحاشا لوڈ شیڈنگ، استحصال، خانہ جنگی، فوج کی آمد کیمپ میں لوگ رو رہے ہیں۔ قبیلہ آباد میں جو اکثر گھروں سے دور دراز گئے ہیں تاکہ اپنے بال بچوں کو کھانا کھلا سکیں۔

قومی اسمبلی کی نشستیں: 67% کسان مزدور ہیں جبکہ قومی اسمبلی میں 2 نشستیں ہیں:

میگا پراجیکٹ: پاکستان کے بننے سے لے کر آج تک ہم غلامی میں ہیں۔ اختیارات اور وسائل ہیں جن کا اصل جمہوریت میں ہی ہے۔ زمین کا حقیقی مالک ہاری ہے مگر قاعدہ وہ کوئی نہیں ہے۔ کالا باغ ڈیم جیسے میگا پراجیکٹ سے پانی کا مسئلہ مزید شدید ہو گا۔ اس بات سے ہاری و مزدور سخت نالاں ہیں

غریب کسانوں کو دے دینی چاہیے 2۔ فوج میں زمین کی تقسیم پر پابندی لگائی جائے 3۔ فصلوں اور علاقوں کی منصوبہ بندی کی جائے 4۔ تمام سرکاری زمینیں کسانوں میں تقسیم کی جائیں 5۔ کسانوں کو بیج، کھاد، زرعی ادویات زرعی آلات سستے داموں تقسیم کیے جائیں: 6۔ ایگرو بیس انڈسٹری کا قیام آج کی اہم ضرورت ہے 8۔ کسانوں کے لیے بلاسود قرضے کی سہولت ہونی چاہیے 7۔ جماعت اسلامی کا کسان ونگ عام کسانوں کو بہتر معیار زندگی اپنانے کے لیے انہیں زراعت سے متعلق تربیت بھی فراہم کرے گا۔

لیبر پارٹی پاکستان کے راہنما فاروق طارق: 1۔ انڈسٹریل ریلیشن آرڈیننس 2002ء کو فوری طور پر واپس لینا ہو گا 2۔ تمام اداروں میں ٹریڈ یونین کا حق دینا چاہیے 3۔ معاشی ترجیحات کو از سر ترتیب دینا ہو گا۔ بے روزگاری الاؤنس 5 ہزار ہونا چاہیے ایسا فوج کا خرچ کم کر کے ممکن ہے 4۔ مزدوروں کی تنخواہ کم از کم 10,000 روپے کی جائے 5۔ زرعی اصلاحات غیر شرعی قرار دے کر غریب کسان کی زندگی مزید اجیرن کر دی گئی 6۔ سابقہ زرعی اصلاحات کے

کسانوں مزدوروں سے متعلقہ پالیسی سازی اور سیاسی جماعتیں۔۔۔۔۔ رپورٹ: مظہر حسین

محمد تحسین، ایگزیکٹو ڈائریکٹر ساؤتھ ایشیا پارٹنر شپ پاکستان نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان ایک زرعی ملک ہے مگر تشویش ناک حالات کی وجہ سے غربت سے نیچے رہنے والی آبادی میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ غیر موثر زرعی پالیسی کی وجہ سے آج اکثر غریب کسان کھیت مزدور بننے پر مجبور ہیں مگر افسوس پاکستان میں تو کھیت مزدور کو سرکاری سطح پر مزدور ہی تصور نہیں کیا جاتا۔ حالات سے تنگ دیہی آبادی شہروں کی طرف نقل مکانی کرنے پر مجبور ہے۔ گویا کسانوں و دیہی مزدوروں کو لاتعداد مسائل سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ پاکستان بننے سے لے کر آج تک کسی بھی سیاسی پارٹی کے منشور میں کسان اور کھیت مزدور کے حوالے سے گنجائش نہیں تھی اور نہ ہی طبقہ منظم تھا مگر آج کل ملک بھر میں اب سول سوسائٹی تنظیمیں کسانوں و دیہی مزدوروں کو منظم کرنے اور ان کے روابط بنانے میں مصروف عمل ہے تاکہ پالیسی سازی کی طرف بڑھا جا سکے کیونکہ اسی کے ذریعے کھیت

مزدور دوست پالیسی کی ضرورت ہے تاکہ غربت، افلاس، خودکشی جیسے واقعات سے بچا جا سکے۔

زمین کی کاشت کا حقدار کون: کسانوں کے نام پر فوجیوں کو فارم ہاؤس دیے گئے۔ بنجر زمین فوجی جرنیلوں کی بجائے غریب کسان کو دے دی جانی چاہیے۔ جو زمین خود آباد نہ کرے اس سے واپس لے کر غریبوں کو دے دی جائے۔ فصلوں اور علاقوں کی منصوبہ بندی کی جائے، کسانوں کے لیے بلاسود قرضے کی سہولت بھی ہونی چاہیے:

کھیت و کسان کی انشورنس اور ہاری کورٹس: آج غریب ہاری 10 ایکڑ پر کام کرتا ہے مگر دوسرے 10 ایکڑ جو زمیندار کی ہے پر مفت کام کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ کھیت مزدور کے حالات تو اور بھی تشویش ناک ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کھیت مزدور کے تحفظ کا قانون کون بنائے گا؟ اس حوالے سے ضرورت ہے کہ "کھیت اور کسان کی انشورنس" کی جائے۔ مزید یہ بھی کہ ان کے مسائل کے فوری حل کے لیے "ہاری کورٹس" بنانا ایک اہم قدم ہو گا۔

حکومتی رویہ ۔ سالمیت کے لیے خطرہ: صوبائی سطح پر موجود ریسورس کی رائلٹی صوبے کی ترقی کے لیے مختص

کیونکہ اس سے غربت مزید بڑھنے کا خدشہ ہے۔ یاد رہے اس طرح کے میگا پراجیکٹ پاکستان کی سالمیت کے لیے بڑا مسئلہ ثابت ہو سکتے ہیں:

غریبوں کے سکول امیروں کے گودام: 67% کسان ہیں مگر پھر بھی ضروریات پوری نہیں کر پاتے۔ غریبوں کے لیے سکول امیروں کے لیے گودام ہیں اس کا پوچھ پڑتال کون کرے گا؟

کسان مزدوروں کے نمائندگان کی بات چیت کے بعد سیاسی قائدین کو مدعو کیا گیا تاکہ کسانوں مزدوروں کے مسائل کے حل کے لیے پارٹی منشور کو زیر بحث لاتے ہوئے پارٹی کا نقطہ نظر واضح ہو سکے۔

جماعت اسلامی سے فرید پراچہ اور سردار ظفر حسین نے کہا کہ جاگیردارانہ نظام کی وجہ سے ملک میں سے رائج حکومت نیا گیر دار، بیوروکریسی اور فوج ہے۔ اس کے باوجود کہ ہماری پارٹی الیکشن میں حصہ نہیں لے رہی ہے مگر پھر بھی پارٹی منشور میں کسانوں مزدوروں کے مسائل کے حل کے لیے جو نکات شامل ہیں وہ آپ سب کے سامنے رکھ دیتا ہوں:

1۔ جو زمین خود آباد نہ کرے اسے واپس لے کر زمین

تحت غریب کسانوں کو دی گئی زمینوں پر قبضے کو ختم کروایا جائے 7۔ با اختیار لینڈ کلونائزیشن ایکٹ بنانا چاہیے 8۔ مالیاتی اداروں کی آمرانہ سرگرمیاں ختم کروائی جائیں 9۔ کسانوں سے جو سبسڈیز ختم کی گئیں ہیں اسے بحال کیا جائے 10۔ غریب کسانوں مزدوروں کے تعلیم یافتہ بچوں کیلئے کوٹہ سسٹم مختص کیا جائے 11۔ انڈسٹریل ایجوکیشن کسانوں و کھیت مزدوروں کو یونین سازی کی اجازت دی جائے 12۔ زرعی مزدوروں کی کم از کم اجرت مقرر کی جائے۔

عوامی نیشنل پارٹی کے حاجی عدیل:

1۔ کسان و دیہی مزدور، کارخانوں کے مزدور، چمڑا توڑنے والے مزدوروں کی تنخواہوں کا تعین زندگی کے اخراجات کے مطابق ہو گا 2۔ انڈسٹریل ایگریکلچر یونین رائٹس میں بانڈڈ لیبر کی گنجائش نہیں 3۔ زرعی ترقی ترجیحی بنیادوں پر ہو گی 4۔ سرحد میں پانی کے انتظامات کے لیے نہری نظام چاہیے 5۔ 40% جنگلات اور 50% تمباکو صوبہ سرحد میں پیدا ہوتا ہے اس سے حاصل شدہ ٹیکس صوبے میں ہی استعمال ہو گا 6۔ ہماری پارٹی GDP کا 6% تعلیم 6% صحت کے لیے

بقیہ صفحہ 4 پر

اداریہ

خودکُش دھماکوں کی گونج میں

بجلی اور پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ

کارگل جنگ کی تحقیقات، بے نظیر شہید کی موت کو جوڈیشل کلنگ قرار دینا اور بینظیر قتل کا اقوام متحدہ سے تحقیقات جیسے تقاضے کہیں 8 سالوں بعد بننے والی جمہوری فضا کو نقصان نہ پہنچا دیں!

مشرف کی ہٹ دھرمی، غیر لچکدار رویے اور دہشت گردی کی بڑھتی ہوئی وارداتوں سے ملک میں مایوسی کی سی فضا ایک مرتبہ پھر سر ابھارنے لگی ہے۔ سیاسی تناؤ اور ہر لمحہ غیر محفوظ ماحول کے شکار عوام کے لیے پٹرول اور بجلی کی قیمتوں میں یہ اضافہ خودکش دھماکوں سے کچھ کم نہیں:

"نگراں وفاقی حکومت نے ملک میں بجلی کی قیمتوں میں 9.9% پٹرول 5 روپے، ڈیزل اور مٹی کے تیل میں ساڑھے 3 روپے فی لٹر اضافہ کر دیا۔ نگران وزیر خزانہ سلمان شاہ نے اخباری نمائندے سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ عالمی منڈیوں میں بتدریج اضافہ کی بنا پر آئندہ 6 ماہ میں مزید اضافہ ہوگا۔ حکومتی مجبوری ہے کہ اگر وہ اضافہ نہ کرے تو 140 ارب روپے کا خسارہ ہوگا"

حکومتی مجبوری اپنی جگہ درست ہوگا مگر سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا حکمران دیگر غیر ترقیاتی اخراجات جو ان کے عیش و آرام پر اٹھتے ہیں میں کمی نہیں کر سکتے تھے؟ بہرکیف کچھ بھی کہہ لیں ایک بات تو واضح ہے کہ اس اضافہ سے مہنگائی کا جو طوفان اٹھنے والا ہے اس کے جو اثرات غریب عوام اور اس ملک پر مرتب ہوں گے اس کا احساس تو بچہ بچہ کر سکتا ہے پھر حکومتی نمائندوں کو کیوں نہیں؟ ہم سب جانتے ہیں کہ بجلی اور پٹرولیم کی مصنوعات، ایندھن اور توانائی کے اہم ترین ذرائع ہیں۔ گھریلو، کاروباری اور صنعتی سرگرمیوں اور ٹرانسپورٹ کے ذرائع کا انحصار انہی شعبوں پر ہے چنانچہ اس اضافے سے مہنگائی کا جو طوفان اٹھے گا اس کا تحمل نہ تو غریب طبقہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی پاکستان کی سالمیت کے لیے یہ خوش آئند ہوگا۔ غضب خدا کا 20 کلو آٹے کے تھیلے پر 15 روپے کا اضافہ گھی فی کلو پہلے 125 روپے تھا اب 140 روپے فی کلو ہو رہا ہے۔

> جس ملک کی معیشت کا انحصار ہی زراعت پر ہو اور آبپاشی کے لیے بجلی یا ڈیزل سے چلنے والے ٹیوب ویل کثرت سے استعمال کیے جاتے ہوں وہاں بجلی اور پٹرولیم کی مصنوعات میں یہ اضافہ زرعی شعبے کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوگا۔ آنے والے وقتوں میں خوراک جیسی بنیادی ضروریات کس طرح پوری ہوں گی؟

یہ وہ سوال ہے جس کے حل کے لیے ریاستی و حکومتی مشینری کو سنجیدگی سے نہ صرف سوچنا ہوگا بلکہ کوئی دوررس لائحہ عمل اختیار کرنا ہوگا کیونکہ حکومت جتنی بھی نیک نیتی سے یوٹیلٹی سٹور اور راشن کارڈ جیسی سکیمیں متعارف کروائے مگر ان کے نتائج دیرپا نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اس سے 16 کروڑ عوام کو فائدہ ہو سکتا ہے:

راشن کارڈ سکیم سے آٹا، چینی، گھی، تیل، اور دال چنا غریب عوام کو مارکیٹ ریٹ سے 42% اور یوٹیلٹی سٹورز کی عمومی قیمتوں سے 25% کم نرخوں پر دستیاب ہوں گے۔ جس کے لیے حکومت نے 3 ارب روپے ماہانہ اور 36 ارب روپے سالانہ کی اضافی سبسڈی دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس سکیم سے 68 لاکھ افراد کو فائدہ ہوگا جو یقیناً ایک بہتر قدم ہے مگر کیا 4500 یوٹیلٹی سٹورز ملک بھر کی 16 کروڑ عوام کی ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں؟ یقیناً نہیں البتہ ضروری ہے کہ بڑھتی ہوئی مہنگائی پر قابو پانے کے لیے کوئی دوررس لائحہ عمل ترتیب دیا جائے۔ کیونکہ جس تیزی سے مہنگائی میں اضافہ ہو رہا ہے اس سے خط افلاس سے نیچے زندگی بسر کرنے والے افراد میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے اور مزید ہوگا۔ جس کے نتیجے میں تخریب کاروں / دہشتگردوں کو مزید مواقع ملیں گے کہ وہ خط غربت کے نیچے رہنے والے ایسے بے روزگار نوجوانوں کو اپنے گھناؤنے عزائم پورا کرنے کے لیے استعمال کریں جس طرح وہ ابھی بھی کر رہے ہیں۔ ہم سب گواہ ہیں کہ ملک بھر میں خودکش حملوں کی یلغار ہو رہی ہے۔

مگر قارئین! آج وقت آ گیا ہے کہ ہم سب سوچیں کہ خودکش حملوں میں ملوث افراد کیونکر موت کو گلے لگانے پر مجبور ہیں؟

ان کی موت مزید کئی بے گناہوں کی موت کا سبب بھی بن رہی ہے۔ ان سب کے خاندانوں پر کیا بیتتی ہوگی؟! اگر آج ہم سب نے یہ نہ سوچا اور کوئی مثبت اور تعمیری اقدامات نہ اٹھائے تو نتائج کا ذمہ دار کوئی اور نہیں ہم سب ہوں گے۔

ضروریات زندگی میں اضافے کا تقابلی جائزہ

دسمبر 2006ء۔دسمبر 2007ء

اشیاء	دسمبر 2006	دسمبر 2007	اضافہ
	اشیائے خوردونوش		
آلو	6 روپے کلو	10 روپے کلو	66.66%
گھی	16 کلو 1,180 روپے	16 کلو 1,640 روپے	38.98%
آٹا	20 کلو 250 روپے	20 کلو 340 روپے	94.28%
مرغی	100 روپے کلو	120 روپے کلو	20%
پیاز	20 روپے کلو	30 روپے کلو	50%
ٹماٹر	30 روپے کلو	40 روپے کلو	33.33%
چینی	100 کلو 2,830 روپے	100 کلو 2,400 روپے	16.94%
دودھ	38 روپے لیٹر	45 روپے لیٹر	18.42%
چاول	45 روپے کلو	70 روپے کلو	75%
دہی	24 روپے کلو	40 روپے کلو	66.66%
	زیورات		
سونا	14,580 روپے تولہ	19,300 روپے تولہ	32.37%
چاندی	278 روپے تولہ	325 روپے تولہ	16.90%
	پٹرول		
ایل پی جی	42 روپے کلو	90 روپے کلو	114.28%
	یوٹیلٹی بل		
گیس	اوسط بل 180 روپے	350 روپے ماہانہ	94.44%
بجلی	اوسط بل 500 روپے	700 روپے ماہانہ	40%
پانی	اوسط بل 140 روپے	240 روپے ماہانہ	71.42%

قارئین۔۔۔۔اس تحریر کے چھپنے تک ان اشیاء کی قیمتوں میں مزید اضافہ ہو چکا ہوگا!

خوراک کی قیمتوں میں اضافہ

دنیا میں خوراک کی صورتحال انتہائی حوصلہ شکن ہے۔ عام طور پر اس کا ذمہ دار امریکہ اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک کو ٹھہرایا جاتا ہے کیونکہ یہ ممالک بائیو فیول کے حصول کے لیے کوشاں ہیں۔ اقوام متحدہ کی خوراک اور زراعت سے متعلق تنظیم کے مطابق ایک سال میں گندم کی قیمت میں 80 فیصد جبکہ اناج، دانے کی قیمتوں میں ناقابل برداشت حد تک اضافہ ہوا ہے۔ 1982ء سے لیکر دنیا میں پائے جانے والے اناج کی مقدار میں واضح کمی واقع ہوئی ہے۔ اس تمام صورتحال سے دنیا کے مختلف حصوں میں مقیم غریب لوگ متاثر ہوئے ہیں۔ اقوام متحدہ کے مطابق اگلے دو سال تک دنیا میں اناج کی طلب میں تین گنا اضافہ ہو جائے گا۔ جس کے نتیجے میں قیمتوں میں اس قدر اضافہ ہوگا کہ ورلڈ فوڈ منصوبے کے منتظمین کو اپنے مقرر کردہ ہدف میں کمی کرنا پڑے گی۔ اس ادارے کے سالانہ منصوبے کے تحت رواں سال 73 ملین افراد کو خوراک پہنچانے کا ہدف متعین کیا گیا تھا۔ جو موجودہ صورتحال کے تحت پورا ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ دنیا کو آبادی میں بے تحاشا اضافے کی وجہ سے بھی خوراک کے بحران کا سامنا ہے۔ گزشتہ چند برسوں سے آبادی میں اضافے کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف ممالک نے خوراک کے بحران سے بچنے کے لیے پالیسیاں ترتیب دیں اور کسی نہ کسی حد تک اس کمی کو پورا کرنے میں کامیاب رہے تاہم موجودہ صورتحال کے پیش نظر یہ کہا جاتا ہے کہ اب ایسا کرنا آسان نہیں ہوگا۔ ایک طرف آبادی میں اضافہ تو دوسری طرف معاشی ترقی نے انسانوں کے لیے خوراک کا بحران پیدا کر دیا ہے۔ دنیا کے دو ممالک جن کو اس قسم کی صورتحال کا سامنا ہے ان میں چین اور بھارت سرفہرست ہیں۔ ان دونوں ممالک میں نہ صرف انسانوں کے لیے اناج کی طلب میں اضافہ ہوا ہے بلکہ جانوروں کو بھی خوراک کی کمی کا سامنا ہے۔

اس وقت یہ صورتحال توانائی کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے مزید پیچیدہ ہو چکی ہے۔ قیمتوں میں اضافے کی ایک اور بڑی وجہ ترقی یافتہ ممالک کی بائیو فیول کے حصول کی طلب ہے۔ صرف امریکہ میں 2006ء میں ایتھانول کی پیداوار کے لیے 14 فیصد استعمال میں لائی گئی جبکہ 2010ء تک اس میں 30 فیصد تک اضافہ متوقع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ میں سویابین کی کاشت میں بھی کمی ہوئی ہے۔ سویابین ماضی میں امریکی کاشتکاروں کے لیے انتہائی منافع بخش فصل ثابت ہوئی۔ اس کی کاشت میں کمی کے باعث امریکی کسان مالی بحران کا شکار ہو جائے گا۔ امریکہ اور دیگر ترقی یافتہ ممالک نے بائیو فیول کے حصول کے لیے جو حکمت عملی اپنا رکھی ہے شاید اس سے متوقع فوائد حاصل نہ ہو سکیں۔ حالیہ دنوں میں منظر عام پر آنے والی رپورٹ کے مطابق دنیا میں بائیو فیول کے حصول کے لیے جاری کوشش کے نتیجے میں خلا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار میں کمی کی بجائے اضافہ ہوگا۔ جس سے صورتحال مزید بگڑ جائے گی۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ امریکہ اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک خوراک کی ترسیل کے لیے کام کرنے والی تنظیموں اور اقوام متحدہ کی مدد کو یقینی بنائیں تاکہ ضرورت مند افراد تک خوراک پہنچائی جا سکے۔ لیکن یہ اس مسئلے کا پائیدار حل نہیں ہوگا۔ کانگریس کو اس صورتحال کا بغور جائزہ لینا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ دنیا بھوک کا شکار ہو جائے کانگریس کو ایتھانول کی پیداوار میں کمی کے لیے نہ صرف امریکی انتظامیہ پر بلکہ دنیا کے دوسرے ترقی یافتہ ممالک پر دباؤ ڈالنا ہوگا۔

بشکریہ: آج اور کل 05-03-08 (دی نیو یارک ٹائمز)

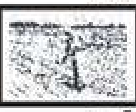

زرعی اصلاحات

تحریر: توصیف احمد۔۔۔۔

منو بھیل اس ملک کا بدقسمت شہری ہے۔ 10 سال قبل منو بھیل کے بیوی بچوں اور خاندان کے دیگر افراد کو ایک طاقت ور جاگیردار نے اغوا کیا، انسانی حقوق کی تنظیموں کی جدوجہد اور چیف جسٹس آف پاکستان جناب جسٹس افتخار محمد چوہدری کی سخت کارروائی کے باوجود یہ لوگ برآمد نہ ہو سکے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور حکومت میں جبری مشقت (بانڈڈ لیبر) کے مسئلے کی سنگینی کو محسوس کیا گیا، ممتاز کمیونسٹ راہنما جام ساقی کا تقرر بھی اس وقت کی سندھ حکومت میں کیا گیا، انہوں نے نجی جیلوں کے خاتمے کے لئے ہر ممکن کوشش کی مگر ان کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکی۔ فوج کے سربراہ جنرل ایوب خان نے 1958ء میں مارشل لاء نافذ کیا۔ 20 جنوری 1959ء کو ایوب خان نے زرعی اصلاحات کا قانون نافذ کیا مگر اس پر عمل درآمد نہیں ہو سکا۔ پیپلز پارٹی کے سربراہ ذوالفقار علی بھٹو نے جاگیرداروں کی حمایت حاصل کرنے کے باوجود اپنی انتخابی مہم میں زرعی اصلاحات کو خصوصی اہمیت دی۔ یہی وجہ تھی کہ بھٹو صاحب نے اقتدار سنبھالنے کے چند ہی مہینے بعد 1972ء میں زرعی اصلاحات نافذ کیں۔ 1977ء میں جب ملک میں دوبارہ انتخابات ہوئے تو پیپلز پارٹی نے اپنے منشور میں مزید اصلاحات کا وعدہ کیا مگر 5 جولائی 1977ء کی سیاہ رات کو فوج نے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور اس ملک میں زرعی اصلاحات کا مسئلہ پس پشت چلا گیا۔ اس کورٹ نے 80ء کی دہائی کے آخری حصے میں زرعی اصلاحات کو غیر اسلامی قرار دے دیا یوں ہاریوں کی آخری امید بھی ختم ہو گئی۔ غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی حکومت کے زمانے میں زرعی اصلاحات کا ایجنڈا نہیں تھا، یہی صورت حال بعد میں بھی تھی، اس صورت حال میں سندھ کی ترقی متاثر ہوئی۔ سندھ میں 80ء کی دہائی سے پانی کی شدید قلت ہے

بقیہ صفحہ نمبر 6

1952ء کی زرعی اصلاحات

مارچ 1949ء میں ملک فیروز خان نون کی قیادت میں قائم ہونے والی کمیٹی بنیادی طور پر جاگیرداروں کے نمائندوں پر مشتمل تھی اور کمیٹی کے پیش نظر کسی قسم کی بنیادی تبدیلی کی بجائے غیر موروثی مزارعین کو کسی قدر تحفظ فراہم کرنا اور بے دخلیوں کو روکنا تھا۔ 1952ء قبل پنجاب میں نافذ 1887ء کے قانون مزارعت کے اہم نکات یہ تھے۔

1- موروثی کاشتکاروں کو بھی حقوق ملکیت مل سکیں گے۔
2- بٹائی میں مالک اراضی کا حصہ 58 فیصد کی بجائے 48 فیصد مقرر کیا گیا۔
3- انعام کی صورت میں ملنے والی جاگیریں منسوخ کر دی گئیں تاہم قومی خدمات، تعلیمی، مذہبی یا خیراتی اداروں کی خاطر ملنے والی جاگیریں برقرار رکھی گئیں۔
4- آئندہ کے لئے جاگیر بخشی کا دستور ختم کر دیا گیا۔
5- سو ایکڑ سے زائد اراضی کے مالک کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ 58 ایکڑ نہری یا 100 ایکڑ بارانی زمین پر خود کاشت کرے۔
6- آئندہ کے لئے موروثی مزارعت پر پابندی عائد کر دی گئی۔
7- حکومت نجی نہروں کو اپنی ملکیت میں لے سکے گی۔
8- قبل ازیں مالک مزارع کو بلا جواز بے دخل کر سکتا تھا۔ اس قانون میں مزارع کی بے دخلی کو مشروط کیا اور اس ضمن میں تین شرائط عائد کر دی گئیں:

(الف) مزارع لگان ادا نہ کرے (ب) مزارع زمین کاشت نہ کرے اور (ج) مزارع اس قسم کی فصل کاشت نہ کرے جو اس علاقہ میں بالعموم کاشت ہوتی ہے۔ 1952ء کی اصلاحات میں جاگیرداری کو بھی ختم کیا گیا۔ اس وقت جاگیر سے مراد ایسا رقبہ تھا جو سرکار نے مالیہ اور لگان کے بغیر بعض افراد کو دے رکھا تھا۔ علاوہ ازیں ایسے لوگوں کا ایسا رقبہ بھی جاگیر قرار پایا جس پر مالیہ ادا کرنے کی پابندی نہیں تھی۔ اول تو یہ ترمیم والی اصلاحات کسی بنیادی تبدیلی کی پیش بینی نہیں کر سکتی تھیں۔ دوسرے ان پر سیاسی دباؤ، سرکاری عدم دلچسپی اور سیاسی عدم استحکام کے باعث پوری طرح عمل درآمد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایسا مطالبہ کرنے والوں کو زمین داروں کے بے لگام احتساب کا نشانہ بننا پڑا۔ جاگیروں کا خاتمہ محض قانونی خانہ پری تک محدود رہا۔ اس پر عمل درآمد کی شرح مقرر تھی، زمین دار بدستور خود کاشت کے اصول کے اطلاق سے گریز کرتے رہے۔ بے دخلی کے حقوق بھی عمل درآمد کی عزت افزائی سے محروم رہے۔

1959ء کی زرعی اصلاحات

اکتوبر 1958ء میں برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد جنرل ایوب خان نے اختر حسین کی سربراہی میں زرعی اصلاحات کمیشن قائم کیا۔ جنوری 1959ء میں کمیشن کی سفارشات ملنے کے بعد زرعی اصلاحات کا مارشل لاء ریگولیشن نمبر 24 جاری کیا گیا جس کے اہم نکات درج ذیل تھے:

1- زرعی حد ملکیت 500 ایکڑ نہری یا 1000 ایکڑ بارانی یا 36000 پی آئی یو (پروڈیوس انڈیکس یونٹ) جو بھی زیادہ ہو، مقرر کی گئی۔
2- اکتوبر 1958ء کے بعد سے مقررہ حد ملکیت سے زیادہ رقبے کا ہبہ یا بیع کیا جانے والا معاہدہ کالعدم قرار پایا۔
3- مذکورہ حد ملکیت سے یتیم خانوں اور منظور شدہ اداروں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا۔
4- مقرر شدہ حد ملکیت کے علاوہ 150 ایکڑ اراضی تک باغات کے لئے رکھنے کی اجازت دی گئی۔
5- مالکان اراضی 18000 پی آئی یو تک اراضی اپنے ورثاء میں تقسیم کر سکتے تھے نیز زیر کفالت مستورات کے لئے 6000 پی آئی یو تک منتقلی کی اجازت دی گئی۔
6- دینی اور رفاہی اداروں کو مقررہ حد ملکیت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ مقرر شدہ حد ملکیت اور مستثنیات میں آنے والی اراضی کے علاوہ تمام اراضی مالکان سے حاصل کر کے ایک مقررہ فارمولے کے تحت مالکان کو معاوضہ ادا کیا گیا۔
7- حاصل کردہ اراضی مزارعین یا حد ملکیت سے کم رقبے کے مالکان کو فروخت کرنے کی اجازت دی گئی اور مزارعین کا حق شفع تسلیم کیا گیا۔
8- غیر اقتصادی ملکیتوں کی فروخت اور تقسیم وغیرہ پر پابندی عائد کی گئی۔
9- مزارعین کی بے دخلی کے حوالے سے مروجہ قوانین جاری رکھے گئے۔

1972ء کی زرعی اصلاحات

1973ء کے آئین کی تشکیل سے قبل کے عبوری عرصے میں ذوالفقار علی بھٹو صدر مملکت کے عہدے پر فائز رہے جس کے دوران انہوں نے 20 مارچ 1972ء کو زرعی اصلاحات کا اعلان کیا جن کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

1- کوئی فرد 150 ایکڑ نہری یا 300 ایکڑ بارانی یا 15000 پی آئی یو سے زائد زرعی اراضی نہیں رکھ سکے گا۔
2- اراضی کی حد ملکیت خاندان کی بجائے فرد کی بنیاد پر مقرر کی گئی۔
3- بڑے زمین داروں سے واگزار ہونے والی زمین بے زمین کاشتکاروں میں تقسیم کی گئی۔
4- آبیانہ، مالیہ اور بیج کی قیمت اور دیگر ٹیکس مزارع یا ہاری کی بجائے زمیندار ادا کریں گے۔
5- مزارعین سے بلا معاوضہ خدمت اور جبری لگان کی وصولی پر پابندی ہوگی۔
6- مقررہ حد سے زیادہ زمین بلا معاوضہ حاصل کر کے غریب کسانوں میں مفت تقسیم کی جائے گی۔
7- ٹریکٹر یا ٹیوب ویل کے مالک زمینداروں کو حد ملکیت میں مزید 2000 پی آئی یو کی چھوٹ ہوگی۔
8- تمام شاملات زمینیں بے زمین کسانوں میں تقسیم کی جائیں گی۔
9- سرکاری افسروں میں تقسیم شدہ 100 ایکڑ سے زائد غیر آباد یا زیر کاشت اراضی واپس لے لی جائے گی۔
10- کسانوں کی بیگار اور غیر قانونی بے دخلیوں پر پابندی ہوگی۔
11- دفاعی افواج کے لئے مناسب اراضی مخصوص رہے گی۔
12- ریاستوں اور قبیلوں کے سرداروں کے تمام استحقاقات کے حقوق منسوخ کرنے کا فیصلہ کیا گیا جنہیں وہ ملک کے مختلف علاقوں میں حاصل کئے ہوئے تھے۔

1972ء کی اصلاحات کا تجزیہ

1- 1972ء کی زرعی اصلاحات میں بھی 1959ء کی زرعی اصلاحات کی طرح خاندانی اکائی کی بجائے انفرادی سطح پر ملکیت قائم کی گئی۔
2- پنجاب میں حکومت کا حاصل کردہ 59 فیصد رقبہ ناقابل کاشت تھا۔
3- زمین داروں کی طرف سے قانونی گنجائشوں کے استعمال کے بعد ظاہر کردہ فاضل زمین کا 42 فی صد پنجاب اور 59 فی صد سندھ میں حاصل کیا گیا۔ ان اصلاحات کے تحت حاصل کردہ رقبہ 1959ء کی اصلاحات کے نتیجے میں واگزار ہونے والے رقبے سے بھی کم رہا۔
4- 1940ء کے لگان کی بنیاد پر پی آئی یو کے تعین کے باعث قانونی اور حقیقی حد بندی میں واضح فرق موجود رہا۔ ماہر معاشیات محمود حسن خان کے مطابق زمین کی پیداواری صلاحیت کو کم کر کے دکھانے کے باعث ان اصلاحات میں اصل حد ملکیت 2000 ایکڑ تک پہنچ گئی۔
5- ان اصلاحات کے باوجود کل زیر کاشت رقبے کا 38 فی صد حصہ بڑے زمین داروں کے قبضے میں رہا (150 ایکڑ سے زائد رقبے کے مالکان کو بڑے زمیندار کہا جاتا ہے) جبکہ ایسے زمینداروں کی تعداد کل زرعی آبادی کا نصف فی صد بھی نہیں ہے۔
6- حکومت میں شامل طاقت ور سیاسی عناصر کے مفادات سے متصادم تھے اور انہوں نے زرعی اصلاحات کو ناکام بنانے کی پوری کوشش کی۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کابینہ میں شیخ محمد رشید اور ڈاکٹر مبشر حسن کو زرعی اصلاحات کا پرجوش حامی سمجھا جاتا تھا۔ دونوں وزرا تھوڑے ہی عرصے میں عملی طور پر بے بس کر دیئے گئے۔ ڈیرہ غازی خان کے سردار فاروق احمد خان لغاری 1970ء کے انتخابات کے بعد پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے تھے۔ ضیاء الحق کے دور استبداد میں وہ ایک طرف تو آمریت مخالف سیاست کی صف اول میں شامل تھے اور دوسری طرف عدالتوں کے ذریعے اپنی وہ اراضی واپس لینے کی کوشش کرتے رہے جو ان کی اپنی جماعت نے زرعی اصلاحات کے ذریعے واگزار کرائی تھی۔

محنت کش اللہ کا دوست مگر....

منتقل کیا جائے گا 7- زرعی مقاصد کے لئے بجلی مفت مہیا کی جائے گی 8- ٹیکس سسٹم کو ازسرِ نو ترتیب دیا جائے گا اور ہر کسی کی آمدنی پر ٹیکس لگایا جائے گا 9- لیبر پالیسی کا کوئی فائدہ نہیں لہذا اسے تبدیل کریں گے 10- فصلوں کی انشورنس پالیسی اپنائیں گے 11- مواقعوں کی ازسرِ نو ترتیب کی حمایت کریں گے 12- حدِ ملکیت 125 ایکڑ رکھی ہے اور بڑے زمینداروں سے زمین واپس لے کر غریب کسانوں میں تقسیم کی جائیں گی 13- غلامی اور جبری مشقت کا خاتمہ کیا جائے گا 14- مزدور کے بچوں کو مفت تعلیم اور صحت کی سہولتیں دی جائیں گی 15- کسانوں کو زمین کے مالکانہ حقوق دیئے جانے چاہئیں 16- نہری نظام آبپاشی کو بہتر کیا جائے تاکہ پانی سب کسانوں کو مہیا ہو 17- جنگلات کی ترقی اور تحفظ کے لیے اقدامات کیے جائیں گے۔

نیشنل پارٹی کے ڈاکٹر عبدالحی بلوچ:

انہوں نے بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ بلوچستان کی صورت حال بڑی خطرناک ہے جس کی وجہ سے کسان اور مزدور بے خوف و خطر کام نہیں کرسکتا۔ پینے کے لیے صاف پانی میسر نہیں۔ انسان اور حیوان ایک ہی جگہ سے پانی پی رہے ہیں جس کی وجہ سے وبا پھیلنے کا خطرہ رہتا ہے اس لیے ہماری پارٹی منشور میں شامل کیا گیا ہے کہ:

1- پانی کو محفوظ کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے ڈیم بنائے جائیں تاکہ برساتی پانی ضائع نہ ہو اور غریب خوشحال ہو 2- اس علاقے میں اعلیٰ قسم کی کھجور پائی جاتی ہے اس کی درآمد کے لیے کوئی ٹھوس منصوبہ بندی کی جائے گی تاکہ کسان بہتر زرمبادلہ حاصل کر سکے 3- کان کنی میں مزدوروں کو اس کا جائز حصہ دیا جائے گا 4- آخر میں ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ان کی پارٹی سمجھتی ہے کہ موجودہ آمر کے ہوتے ہوئے جمہوریت کی بحالی کی بات کرنا بے سود ہے لہذا عوام کو سڑکوں پر آنا ہوگا اور عدلیہ کو بحال کروانا ہوگا۔

جمعیت علمائے اسلام (ف) ریاض درانی نے کہا کہ ہمارا منشور قرآن اور حدیث کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے، ہماری کوشش ہوگی کہ:

1- غریب کسان، مزدور کے بچوں کو وہی مراعات دی جائیں جو معاشرے کے اندر دوسرے طبقات کو حاصل ہیں 2- فوج سے زمینیں واپس لی جائیں گی اور اسے کسانوں میں تقسیم کیا جائے گا 3- بے روزگار اور عمر رسیدہ شہریوں کو الاؤنس دیا جائے گا 4- مزدور کی ایک مہینے کی تنخواہ ایک تولہ سونے کے برابر ہونی چاہیے 5- موجودہ تنخواہوں کے نظام کا ازسرِ نو جائزہ لیتے ہوئے ان میں اضافہ کیا جائے گا۔

تحریک انصاف کے اویس احمد نے اپنے خطاب میں کہا کہ جاگیرداری نظام کا خاتمہ کیا جائے، لوٹ کھسوٹ کا بازار بند کیا جائے، ہر شخص کو قانون اور آئین کے مطابق پابند کیا جائے، ریاست کے اندر غریب، کسان، مزدور کو تمام طبقوں جیسی سہولت میسر کرے۔ کسانوں کو گاؤں کی سطح پر صحت، تعلیم اور ذرائع آمدورفت کی سہولتیں حاصل ہونی چاہئیں تاکہ وہ شہروں کی طرف نقل مکانی نہ کرسکیں۔ کوآپریٹو فارمنگ کا اجرا کیا جائے۔

پاکستان مسلم لیگ (ق) کی محترمہ مہناز رفیع نے کہا کہ 1- اگر ق لیگ منتخب ہوئی تو موجودہ پالیسیوں کو جاری رکھنے کے علاوہ پارٹی "گاؤں سنوارو" پروگرام شروع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تاکہ گاؤں کی سطح پر مشاورتی گروپ بناتے ہوئے کسانوں کے مسائل حل کیے جاسکیں 2- گھریلو صنعت کے فروغ کے لیے "ایک ضلع ایک ہنر" کے نام سے پروگرام شروع کرنے کا بھی ارادہ ہے جس سے خواتین اپنے ہنر سے استفادہ حاصل کرسکیں گی 3- شاملات زمین بے گھر کسانوں میں تقسیم کرنے کا بھی پروگرام ہے 4- ق لیگ عورتوں میں شرح خواندگی بڑھانے کے لیے اقدامات کرے گی اور جہیز ایکٹ کو گاؤں کی سطح پر لاگو کرے گی 5- کسانوں مزدوروں کے بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے لیے وظائف دیئے جائیں گے 6- اور سب سے اہم فصلوں کے بیمہ کے لیے بینک کمپنیاں تشکیل دی جائیں گی۔

پاکستان مسلم لیگ (ن) کے سرتاج عزیز نے پارٹی منشور پر بات کی اور کہا کہ قانون کی حکمرانی کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ ملک میں 33 سالہ فوجی ادوار نے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ جب تک عدلیہ کو آزاد اور ججوں کو بحال نہیں کیا جاتا ملک کے حالات ٹھیک نہیں ہوسکتے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ان کی پارٹی اقتدار میں آگئی تو مندرجہ ذیل اقدامات اٹھائے گی:

1- غربت کا خاتمہ اور مہنگائی پر قابو پانے کے لیے زرعی اجناس کی زیادہ پیداوار کے لیے اقدامات کیے جائیں گے 2- چھوٹے کسانوں کو آسان قسطوں پر قرضے دیئے جائیں گے اور جانوروں کی افزائش نسل کے ترغیب دی جائے گی 3- گاؤں کی سطح پر چھوٹی صنعت کی ترویج کے لیے حوصلہ افزائی کی جائے گی 4- مزدور کی کم از کم تنخواہ 3000 روپے سے بڑھ کر 6000 روپے کر دی جائیگی 5- گورنمنٹ پرائمری سکولوں میں خواتین ٹیچرز کو بھرتی کیا جائے گا 6- مقامی سطح پر تمام ڈسپنسریاں اور سوشل سنٹرز خواتین کے زیرِ نگرانی کام کریں گے 7- ہر علاقے میں پینے کے صاف پانی کے ٹیوب ویل لگائے جائیں گے 8- نظام آبپاشی کو ازسرِ نو ٹھیک کیا جائے گا اور بنجر زمینوں کو پانی فراہم کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے 9- سیم اور تھور کے خاتمے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے تاکہ قابل کاشت رقبے میں اضافہ کیا جاسکے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے قمر زمان نے اپنے خطاب میں کہا کہ ان کی پارٹی ذوالفقار علی بھٹو کے نعرہ "روٹی، کپڑا اور مکان" پر آج بھی قائم ہے:

1- مہنگائی کے خاتمے کے ساتھ ساتھ کوشش کی جائے گی کہ چھوٹے تاجروں اور کاشتکاروں کو مراعات دی جائیں 2- ملک میں پانی کے بحران پر قابو پانے کی بھی کوشش کی جائے گی 3- IRO پر نظرثانی کریں گے 4- صدارتی آرڈیننس 2002 کا ازسرِ نو جائزہ لیا جائیگا 5- کسانوں کے لیے سستے داموں بیج، کھاد اور زرعی آلات کے حصول کو ممکن بنانے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے تاکہ زیادہ فصلیں اگائی جاسکیں 6- نہری نظام کا ازسرِ نو جائزہ لیا جائے گا اور پانی کے کھالوں کو پختہ کیا جائے گا 7- عورتوں کے مسائل حل کرنے کے لیے خواتین جج مقرر کیے جائیں گے 8- اور غریب کسان مزدور کو یونین سازی کا حق دیا جائے گا۔

ڈاکٹر سجاد سندھ عوامی تحریک نے اپنے خطاب میں کہا کہ سندھ میں اس وقت افراتفری کا عالم ہے، قانون کی کوئی حکمرانی نہیں ہے۔ عوامی تحریک کی کوشش ہوگی کہ:

1- ILO قوانین کی پوری پوری پابندی کی جائے 2- لیبر سے متعلقہ کیسز کی شنوائی کم از کم سیشن جج کرے

3- زمین کی ملکیت بارانی 125 ایکڑ اور نہری زمین 50 ایکڑ ہونی چاہیے 4- Tenancy Act کا جائزہ لیا جارہا ہے تاکہ متعلقہ ہاری کو بے دخل نہ کیا جائے 5- ہاریوں کو اسمبلی تک نمائندگی دی جائے 6- با اثر افراد اور فوجیوں سے زمینیں واپس لی جائیں اور یہ زمین بے گھر ہاریوں میں تقسیم کی جائیں 7- میٹرک تک تعلیم مفت ہو 8- اور دیہی علاقوں میں تمام تر سہولیات مہیا کی جائیں۔

پختونخواہ ملی عوامی پارٹی کے نصر اللہ زیرے نے کہا کہ ان کی پارٹی قانون کی بالادستی، پارلیمنٹ کی مضبوطی اور عدلیہ کی آزادی پر پختہ یقین رکھتی ہے۔ ہماری پارٹی کسانوں اور مزدوروں کے مندرجہ ذیل اقدامات کرے گی:

1- جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ 2- منصفانہ زمین کی تقسیم 3- کسانوں کی زمین سے جبری بے دخلی کا خاتمہ 4- آسان شرائط پر کسانوں کو بیج، کھاد، ادویات اور زرعی آلات کی فراہمی 5- پانی کی منصفانہ تقسیم کو ممکن بنانا 6- کالا باغ ڈیم کی بجائے چھوٹے چھوٹے ڈیم بنائے جائیں 7- آسان ٹیکسوں کے نظام کو متعارف کرانا 8- ILO کے قوانین پر عملدرآمد کو ممکن بنانا 9- قومی سطح پر بے روزگار الاؤنس دیا جائیگا۔

متحدہ قومی موومنٹ کے تحسین آزاد نے کہا ہمیں سب کو پاکستان کی بہتری کے بارے میں سوچنا چاہیے اور اس حوالے سے قومی سوچ کو فروغ دینا چاہیے۔

آخر پر قیصر بنگالی نے پورے دن کی بحث کو سمیٹتے ہوئے مسائل اور ان کے حل پر مختصراً مگر مدلل گفتگو کی:

1- کسان مزدور نیٹ ورک کے نمائندوں نے کہا ہے کہ یہ چند پارٹیوں نے کسان مزدور کے متعلق بات نہیں کی یاد رہے پورے ملک میں اگر کسی ایک طبقے کے مسائل بھی حل نہ ہوسکے تو اس کے اثرات پورے ملک پر ہوں گے اور ہو بھی رہے ہیں؛

2- امن عامہ کی صورت حال بہت خطرناک ہے۔ آئے روز دھماکے ہو رہے ہیں۔ ملک کے کئی علاقوں جیسے سوات اور ساؤتھ وزیرستان میں جنگ جیسی صورت حال ہے وہاں سے لوگ نقل مکانی کرنے پر مجبور ہیں جس سے وہ مہاجر بن رہے ہیں۔ مگر افسوس حکومت پاکستان ان کو مہاجر ماننے کے لیے تیار نہیں لہذا اقوام متحدہ کو ان کی مدد کرنے کی اجازت بھی نہیں ہے؛

3- سب پارٹیوں نے کہا کہ وہ جاگیردارانہ نظام کو ختم کردیں گے اور 12/1/2 (ساڑھے بارہ ایکڑ) زمین فی خاندان کو دیں گے مگر شریعت کورٹ کا فیصلہ ہے کہ زمینداروں سے زمینیں لیکر کسانوں کو دینا غیر اسلامی ہے۔ کیا یہ تمام پارٹیاں عوامی سطح پر شریعت کورٹ کے فیصلے کی مخالفت کریں گی؟ یہ سوال پارٹیوں کے سامنے موجود ہے۔ کیا وہ عدالت سے انکار کرتی ہیں؟ کیا خواتین زمین کی مالک ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ سیاسی پارٹیوں کو اس مسئلے پر اپنی پالیسی واضح کرنے کی ضرورت ہے؛

4- سیاسی پارٹیوں نے بڑی اچھی باتیں کی ہیں، ان میں اگر 25 فیصد باتیں بھی پوری ہوگئیں تو بھی کافی حد تک عوام کے مسائل حل ہوں گے۔ سب نے کہا کہ کیا جائے گا اور کیا جانا چاہیے۔ انہی کاموں کو عمل کرنے کے لیے حکومت وقت کو وسائل چاہئیں یعنی بجلی کی فراہمی، صحت کی سہولت، پانی کی سہولت، تعلیم کی سہولت دینا چاہتے ہیں تو آپ کو ریونیو چاہیے۔

5- یہاں پر سپلائی اور ڈیمانڈ کا اشو بھی ہے سیاسی جماعتیں جو پروگرام پیش کرتی ہیں اور جو پروگرام پر عمل کرتے ہیں وہ سپلائی سائیڈ ہے۔ سیاسی جماعتیں اس چیز کو ڈیلیور کریں گی جس کی ڈیمانڈ ہوگی۔ ایک عام سوال سامنے آتا ہے کہ ملک میں 10 ہزار زمیندار ہیں مگر 10 کروڑ کسان ہیں۔ کیا 10 ہزار ووٹ اہم ہیں یا 10 کروڑ ووٹرز اہم ہیں؟ گزشتہ آٹھ دس الیکشنوں میں ہماری سیاسی جماعتوں نے 10 ہزار ووٹرز کے مفادات کو زیادہ اہم سمجھا ہے مگر 10 کروڑ ووٹرز کے مفادات کو زیادہ اہم نہیں سمجھا؟ 10 کروڑ ووٹرز منظم نہیں ہیں جبکہ دس ہزار ووٹرز زیادہ منظم ہیں اسی بناء پر وہ اپنی ڈیمانڈ زیادہ موثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔

مثال: مغربی بنگال میں کمیونسٹ پارٹی کی حکومت 1970ء میں اقتدار میں آئی اور آج تک ہے۔ ہندوستان کے قانون میں ریاست کو لینڈ ریفارمز کا اختیار نہیں تھا مگر وہاں کے کسان متحد ہوئے اور وہاں لینڈ ریفارمز خود بخود ہوگئیں۔ زمیندار وہ علاقے چھوڑ کر چلے گئے اور کسانوں کے پاس زمینیں آگئیں۔ پاکستان میں سنجیدہ اور منظم انداز میں ڈیمانڈ نہیں کی جو ہماری ناکامی ہے۔

مسائل کا حل:

1- حکومت عام آدمی سے ٹیکس وصول کرتی ہے اس کا بڑا حصہ تو حکومت اور فوج پر خرچ ہو جاتا ہے۔ اب سوال سیاسی پارٹیوں کے سامنے ہے کہ کیا وہ فوج کا خرچ کم کر سکتی ہے۔ اگر وہ فوج کا خرچ کم کردیں گی تو امید کی جاسکتی ہے کہ ہمارے معاشی حالات بہتر ہوسکیں اور وہ اپنا ترقیاتی اور اصلاحاتی ایجنڈا مکمل کرسکتی ہیں۔

2- این۔ جی۔ اوز، کسان مزدور نیٹ ورکس اور طبقاتی پارٹیاں (لیفٹ پارٹیز) کو ڈیمانڈ کرنی چاہیے۔ انہیں گاؤں میں جا کر کام کرنا ہوگا۔ گاؤں میں جا کر لوگوں کو متحد کرنا ہوگا۔ یونینز بنیں گی تو بات بنے گی اور نیچے سے ڈیمانڈ آئے اور بڑی سیاسی پارٹیاں فوری طور پر اس حوالے سے پروگرام پیش کریں۔

3- جب تک طاقت کا توازن نہیں بدلتا اس وقت تک حالات ٹھیک نہیں ہوں گے۔ پارٹی حکومت میں تو آجاتی ہیں لیکن پاور میں نہیں آتی۔ پاور میں آنے والے طریقہ کار پر بات کرنے کی ضرورت ہے۔ سول ملٹری تعلقات بھی ایک مسئلہ ہے۔ ملٹری کارپوریشن جس میں ادویات کا شعبہ، ٹرانسپورٹ کا شعبہ، بینک، پیٹرول پمپ، ایڈورٹائزنگ ایجنسی، انڈسٹری پوری ایک امپائر ہے۔ جب تک طاقتور سیاسی حکومت ان چیلنجز سے نہیں نمٹتی سول ملٹری تعلقات میں توازن نہیں آسکتا۔

4- محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت 27 دسمبر 2007ء کو ہوئی۔ عوامی ردعمل اتنا فوری اور شدید تھا کہ تین دن تک پولیس، فوج، رینجرز شہروں میں نہیں آئی۔ تین دن کے بعد صرف شہروں کے باہر فوج نے گشت شروع کی مگر شدید عوامی ردعمل کی وجہ سے شہروں کے اندر نہیں گئی۔ اگر اب بھی فوج نے اپنا قبلہ درست نہ کیا تو اس سے بھی زیادہ ہنگامہ آرائی ہوسکتی ہے کیونکہ یہ 1970ء نہیں کہ لاشیں گرائی جائیں اور پتہ نہ چلے، اب تو پوری دنیا دیکھے گی۔ آج فوج کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ ملک کی چوکیداری کرے یا ٹھیکیدار بنے اور ہمیں بھی فیصلہ کرنا ہے کہ ان کی ٹھیکیداری کو ختم کریں اور انہیں چوکیداری پر واپس لائیں۔

قسط 1

ترقیاتی عمل اور تعمیر استعداد
کمیونٹی موبلائزیشن کیلئے درکار مہارتیں

تحریر: فدا حسین

قارئین، ترقیاتی عمل اور منطقی سوچ کا چولی دامن کا ساتھ ہے مگر اس سب کے لیے صلاحیتوں میں اضافہ اور معلومات تک رسائی ایک ناگزیر عمل ہے۔ ہم وقتاً فوقتاً کوشش کرتے رہتے ہیں کہ چانن میں دیگر تحریروں کے ساتھ ساتھ کچھ اس طرح کی تحریریں بھی شامل کریں جس کی مدد سے ترقیاتی عمل میں مصروف افراد کی تعمیر استعداد ممکن ہو۔ اسی سلسلے میں ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ کے شعبہ تعمیر استعداد کی طرف سے، سماجی تنظیموں اور ترقیاتی سرگرمیوں میں مصروف عمل افراد کیلئے ایک تربیتی سلسلہ کا آغاز ہوا جس کا بنیادی مقصد سماجی ترقی کے شعبہ میں استعمال ہونے والے تصورات، اصطلاحات اور مختلف نوعیت کے معلوماتی مواد کا زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچانا تھا تاکہ سیکھنے اور سکھانے کے عمل میں پائی جانے والی رکاوٹوں کو دور کیا جاسکے۔ ترقیاتی عمل کا آغاز کرتے ہوئے اکثر کے ذہنوں میں خیال آتا ہے کہ:

> کمیونٹی موبلائزیشن سے کیا مراد ہے؟ اور کسی کمیونٹی کو ترقیاتی سرگرمیوں کیلئے کس طرح موبلائز کیا جائے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو ہر اس فرد کے ذہن میں اٹھتا ہے جس کا تعلق سماجی ترقی کے شعبہ سے ہو۔ نیز سوشل موبلائزیشن اور کمیونٹی موبلائزیشن میں کیا فرق ہے اور موبلائزیشن کے کیا کیا مراحل ہو سکتے ہیں؟ اس کے علاوہ کمیونٹی کو موبلائز کرنے والے افراد میں کیا کیا بنیادی مہارتوں کا ہونا ضروری ہے؟

ان سوالات کی وضاحت کے لیے ذیل کی معلومات نذر قارئین ہیں:

کمیونٹی کا تصور، تعریف اور اہمیت: یہ دو لاطینی الفاظ کا مجموعہ ہے، یعنی (Com) کا مطلب ہے اکٹھا، ایک ساتھ، مل جل کر اور (Munis) کا مطلب ہے خدمت کرنا۔ یعنی مل جل کر خدمات فراہم کرنا۔ سادہ الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ کمیونٹی سے مراد ہے کسی علاقہ یا گاؤں کی آبادی یا کسی مخصوص گروہ کے لوگ جن کے مفادات ایک جیسے ہوں مثلاً رہائش، نظریاتی وابستگی، ضروریات، مسائل وغیرہ۔ عمرانیات کے لحاظ سے کمیونٹی کا تصور کافی وسیع ہے۔ کمیونٹی کی مختلف لوگوں نے مختلف تعریفیں کیں ہیں۔ تاہم اگر ان تعریفوں کا جائزہ لیا جائے تو کمیونٹی میں ایسے افراد یا خاندانوں کا مجموعہ نظر آتی ہے جو کسی ایک جگہ پر آباد ہوں، ان کے سماجی، معاشی یا سیاسی مفادات ایک جیسے ہوں اور ان لوگوں کے درمیان کسی نہ کسی سطح پر تعامل یعنی (Interaction) وقوع پذیر ہو۔ کمیونٹی درحقیقت معاشرے کا ہی دوسرا نام ہے۔ آجکل کے دور میں چونکہ آبادی بہت بڑھ گئی ہے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک معاشرے میں بہت سی کمیونٹیاں آباد ہوتی ہیں۔ کمیونٹیوں کے درمیان قدر مشترک انکی ثقافت، زبان، نسل، کاروبار وغیرہ ہو سکتی ہے مثلاً سکھ کمیونٹی، تاجر کمیونٹی، لائرز کمیونٹی، ڈرائیورز کمیونٹی، دیہی کمیونٹی، کسان کمیونٹی، صحافی کمیونٹی وغیرہ۔ اس کے علاوہ کچھ مفکرین کی تعریفیں ذیل میں دی گئی ہیں:

میکائیور (Maciver) اور پیج (Page) کے مطابق کسی بھی چھوٹے یا بڑے گروپ کے ارکان ایک جگہ اس طرح رہتے ہوں کہ وہ کسی ایک مفاد کے تحت نہیں بلکہ مشترکہ زندگی کی بنیادی شرائط کے تحت زندگی گزارتے ہوں اس گروپ کو کمیونٹی کہتے ہیں۔

برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell) نے اس طرح تعریف کی ہے: عملی طور پر ایک دوسرے سے منسلک لوگوں کا مجموعہ جو کسی مخصوص وقت میں کسی مخصوص جغرافیائی علاقہ میں رہتے ہوں، جن کی مشترکہ ثقافت ہو اور ایک سماجی شناخت رکھتے ہوں اور ایک گروپ کی حیثیت سے اپنی منفرد اور الگ شناخت رکھتے ہوں۔

اسکیم (Scheme) کے مطابق ایسی آبادی جس کے ارکان روزمرہ بنیاد پر ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہوں اور ایسی سرگرمیاں کرتے ہوں جو ان کی سماجی اور معاشی ضروریات کو پورا کرتی ہیں۔

جے ہیز (J-Hays) کے مطابق مقامی معاشرہ اور اس کے اداروں کے اندر رہائش پذیر لوگ ایک کمیونٹی کی صورت میں پہچانے جاتے ہیں۔

بروکنشا اور پیٹر ہوج (Brokensha & Peter Hodge) کے مطابق کمیونٹی ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہوئے ذیلی نظاموں کے تحت ساخت اور ثقافتی رویوں کا احاطہ کرتے ہوئے ایک بڑے نظام کو کہتے ہیں۔

کیری (Cary) کہتا ہے: کمیونٹی سے مراد ایسے لوگ ہیں جو ایک ہی جگہ رہنے کی وجہ سے ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہوں اور جن کے مفادات اور اقدار میں اشتراک پایا جاتا ہو۔

سوشل موبلائزیشن اور کمیونٹی موبلائزیشن کا تصور اور تعریف: سوشل موبلائزیشن: سوشل موبلائزیشن (Social Mobilization) یعنی سماجی بیداری سے مراد لوگوں کو ان کی موجودہ صورت حال کے بارے میں شعور و آگہی سے متعلق اس طرح سہولت کاری اور مدد فراہم کرنا تاکہ وہ اپنے مسائل حل کرنے کیلئے خود اقدامات اٹھانے کیلئے تیار اور متحرک ہو جائیں۔ سوشل موبلائزیشن سے سماجی بیداری کے علاوہ سماجی تحریک یعنی سماج یا معاشرے کے مختلف طبقات کا متحرک ہونا بھی مراد ہے۔

کمیونٹی موبلائزیشن: کمیونٹی موبلائزیشن سے مراد ہے کسی مخصوص کمیونٹی کا اپنے مسائل کے حل کیلئے متحرک ہونا۔

کمیونٹی کو با اختیار بنانا: کمیونٹی کو با اختیار بنانے سے مراد یہ ہے کہ کمیونٹی کو ان کی ترقی کیلئے ضروری مہارتوں کے بارے میں تربیت دینا تاکہ وہ اپنی منزل اور مقاصد کا خود تعین کرتے ہوئے نہ صرف ترقیاتی منصوبوں کی نشاندہی کر سکیں بلکہ ان پر عملدرآمد بھی کر سکیں اور اپنے مسائل کو حل کرنے کیلئے اقدامات اٹھا سکیں۔ نیز ان میں اپنے موجودہ وسائل کو موثر طور پر استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔ کمیونٹی کے متحرک ہونے اور با اختیار ہونے سے مراد ایک ایسے عمل کا آغاز ہے جس کی بدولت کمیونٹی خود اپنے معاملات پر سوچنا اور عملدرآمد کرنا شروع کر دیتی ہے۔ نیز کمیونٹی اپنی پائیدار ترقی کیلئے تمام مراحل اپنے طور پر سرانجام دیتی ہے، یعنی:

- ☆ اپنے مسائل کی نشاندہی کرنا
- ☆ انہیں حل کرنے کیلئے وسائل اکٹھے کرنا
- ☆ منصوبہ سازی کرنا
- ☆ منصوبہ پر عملدرآمد کرنے والے شراکت داروں کو شامل کرنا
- ☆ منصوبہ پر عملدرآمد کرنا
- ☆ زیر تکمیل منصوبہ کی مانیٹرنگ کرنا اور تکمیل کے وقت خود جائزہ لینا

چونکہ کمیونٹی کو متحرک کرنا ایک مسلسل عمل ہے اس لئے اس دوران کمیونٹی کے اندر ایک احساس ذمہ داری اور خود ارادیت کا پیدا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ وہ متحرک رہیں، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنے منصوبوں میں شریک کر سکیں، باہمی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں رہیں اور مسائل کے حل کیلئے ایڈووکیسی کرتے رہیں۔

کمیونٹی کو متحرک کرنے سے کمیونٹی کو مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہو سکتے ہیں؟

- ☆ کمیونٹی کی استعداد کار میں اضافہ
- ☆ ترقیاتی منصوبوں کیلئے کمیونٹی کی شراکت میں اضافہ
- ☆ وسائل کے بہتر استعمال کا رجحان
- ☆ مختلف شراکت دار یا سٹیک ہولڈرز ترقیاتی منصوبوں میں معاونت فراہم کرنے کیلئے متوجہ ہوتے ہیں
- ☆ کسی منصوبہ پر اجتماعی سوچ و بچار ہوتا ہے
- ☆ کمیونٹی میں اجتماعی ترقیاتی منصوبوں کیلئے اپنائیت پیدا ہوتی ہے
- ☆ مشترکہ مقاصد اور ویژن طے کئے جانے کی وجہ سے انہیں آسانی سے حاصل کیا جا سکتا ہے
- ☆ کمیونٹی کی اونرشپ کی وجہ سے منصوبوں میں پائیداری ہوتی ہے۔

کمیونٹی کو متحرک کرنے کے دوران مشکلات کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں؟

- ☆ غیر موافق سماجی و ثقافتی خارجی ماحول
- ☆ کمیونٹی کو منصوبوں پر عملدرآمد کے آغاز سے ہی شامل نہ کرنا
- ☆ منصوبوں میں کمیونٹی کی شراکت کا نہ ہونا
- ☆ حکومتی اداروں کی جانب سے خدمات کی فراہمی کی خراب صورت حال
- ☆ کمیونٹی کے اندر منفی رجحانات مثلاً بے اتفاقی، جہالت، بددیانتی، تہمت لگانا، عدم امتیاز وغیرہ
- ☆ معلومات، ہنر اور تربیت کا نہ ہونا
- ☆ مختلف محکموں، تنظیموں اور اداروں سے تعلقات کا نہ ہونا، یعنی نامناسب رابطہ کاری
- ☆ سرگرمیوں اور فعالیت میں تسلسل کا نہ ہونا
- ☆ مقامی وسائل کو زیر استعمال لانے کیلئے حکمت عملی کا نہ ہونا
- ☆ خارجی ماحول اور عوامل کا تجزیہ نہ کرنا
- ☆ فرسودہ رسم و رواج اور توہمات
- ☆ کمیونٹی کے مختلف طبقات اور گروپس کی نمائندگی کا نہ ہونا
- ☆ ایک ہی علاقے میں ایسے منصوبے شروع کرنا جن پر دوسرے ادارے کام کر رہے ہوں اور مقابلہ کی فضا پیدا ہو جائے
- ☆ خراب نظم و نسق

شرکائے ورکشاپ کے نزدیک عمومی طور پر موبلائزیشن کے دوران پیش آنے والی مشکلات، ان کی وجوہات اور ان کے ممکنہ حل حسب ذیل ہو سکتے ہیں؟

موبلائزیشن کے دوران کیا کیا مشکلات پیش آتی ہیں؟

معلومات کا نہ ہونا.....مقامی زبان پر عبور نہ ہونا.....وسائل کی کمی.....اپنی مرضی سے میٹنگ کے وقت کا تعین.....آپس کے تنازعات.....کمیونٹی بات نہیں سنتی.....لوگوں کا عدم اعتماد.....این جی اوز کے بارے میں لوگوں کا منفی رجحان.....خواتین موبلائزر کی اہمیت کو تسلیم نہ کرنا.....سرکاری اداروں کا عدم تعاون.....جاگیردار طبقہ کی بے جا مداخلت.....فرقہ واریت اور تعصب.....لوگوں کو اکٹھا کرنے میں مشکل کا سامنا.....ناخواندہ لوگوں کی ذہنی تبدیلی میں مشکل.....لوگوں کا رویہ.....خواتین کی عدم شمولیت.....توقعات کا زیادہ ہونا.....فرسودہ رسومات کی بوچھاڑ.....لوگوں کا موبلائزر پر اعتماد نہ ہونا.....لوگوں کو اکٹھا کرنے میں مشکل.....ناخواندہ لوگوں کے ذہنی تبدیلی میں مشکل.....موبلائزر کے علم میں کمی.....لوگوں کا عدم تعاون.....مسائل کا علم نہ ہونا.....خواتین موبلائزر کو اہمیت نہ دینا.....سرکاری اداروں کا عدم تعاون.....جاگیردار طبقہ کی مخالفت

ان کی وجوہات کیا ہوتی ہیں؟

بے روزگاری.....مہنگائی.....تعلیم کی کمی.....عدم دلچسپی.....ترقی کے حوالے سے کمیونٹی کے لوگوں کے تلخ تجربات.....میٹنگ کیلئے وقت کا صحیح تعین نہ کرنا.....جاگیردارانہ اور قبائلی نظام.....شعور و آگہی کی کمی.....معلومات کی کمی.....لوگوں کے روزمرہ کے معمولات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اسلئے لوگوں کو اکٹھا کرنے میں مشکل پیش آتی ہے.....سیاسی مداخلت.....غربت کی وجہ سے وقت کی کمی.....عدم اعتماد.....مسائل کی بنیادی وجہ سے ناواقفیت

بقیہ صفحہ نمبر 7 پر

بقیہ زرعی اصلاحات

جس کی بنا پر زرعی شعبہ زوال پذیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اندرون سندھ میں غربت کی شرح 53فی صد سے زیادہ ہے جب کہ شہری علاقوں میں غربت کی لکیر کے نیچے زندگی گزارنے والوں کی شرح 20فی صد ہے۔ سندھ میں بے روزگاری کی شرح 20فی صد ہے۔ سندھ میں بے روزگاری کی شرح میں خطرناک اضافے کی بنا پر ایک طرف خودکشی کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے تو دوسری جانب بے زمین ہاری زمین داروں سے قرضے کی عدم ادائیگی کی صورت میں بلا معاوضہ ان کی خدمت پر مجبور ہیں اور جب ان میں قرضے کی اقساط ادا کرنے کی سکت نہیں ہوتی تو جاگیردار انہیں اپنی نجی جیلوں میں قید کر لیتے ہیں۔ ان کی خواتین کی بے حرمتی کی جاتی ہے اور بغاوت کرنے والے افراد کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اگر جاگیرداروں کو خطرہ ہوتا ہے کہ یہ ہاری فرار ہو جائیں گے تو ان لوگوں کو ہتھکڑیوں سے باندھ دیا جاتا ہے۔ پولیس اور ضلعی حکام اس معاملے میں ہمیشہ جاگیرداروں کی مدد کرتے ہیں۔ ان علاقوں میں انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے جدوجہد کرنے والے کارکنوں کی زندگی مشکل کر دی جاتی ہے۔

صدر پرویز کے دور میں جب بلوچ قبائلی سردار ظفر اللہ جمالی وزیر اعظم تھے تو انہوں نے واضح طور پر اعلان کیا تھا کہ اب زرعی اصلاحات نہیں ہوں گی۔ معروف تجزیہ نگار ڈاکٹر عائشہ صدیقہ کی تحقیق کے مطابق اب فوجی جرنلوں کے پاس وسیع و عریض زرعی فارم ہیں اس لئے حکمران طبقے کے پاس زرعی اصلاحات کی مخالفت کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

غیر سرکاری تنظیم ایکشن ایڈ نے نہایت مناسب موقع پر زرعی اصلاحات کا اعلان نامہ پیش کیا ہے جس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

- 1972ء کی زرعی اصلاحات کے مطابق عمل کر کے دی گئیں تمام مستثنیات ختم کی جائیں۔
- نو آبادیاتی دور کے کالونائزیشن ایکٹ مجریہ 1912ء کو فوری طور پر ختم کیا جائے۔
- انعام، نیلام اور کلیم میں دی گئی زمینیں خود کاشت کرنے والوں کے سوا دیگر تمام زمینداروں سے واپس لی جائیں۔
- کارپوریٹ فارمنگ کے نام پر نئی شکل میں جاگیرداری قائم رکھنے کی سازش ختم کی جائے۔
- ماضی میں زرعی اصلاحات پر عمل کے دوران کسانوں کو دی گئی زمینوں پر سے قبضے ختم کروا کے پانی و دیگر سہولیات پہنچائی جائیں۔
- زرعی زمین کی الاٹمنٹ صرف حق شفع کے اصول کے تحت ہاری خاندانوں مرد و خواتین کو دی جائیں۔
- جنگلات ختم کر کے بااثر وڈیروں کو الاٹ کی گئی تمام زمینیں واپس کر کے حق شفع کے اصول کے تحت اور جنگلات لگانے کی شرط پر مقامی ہاریوں یا مرد یا خواتین زرعی محنت کشوں کو الاٹ کی جائیں۔
- کچھ کا چھو کوہستان، کچھی، تھل، پیٹ، دشت، تھر، تھل، چولستان غیر علاقوں سمیت پورے ملک میں بااثر لوگوں یا اداروں کی طرف سے قبضہ شدہ سروے یا غیر سروے شدہ زمینوں کے سروے کر کے حق شفع کے اصول کے تحت زمین پر آباد مرد و خواتین میں تقسیم کی جائیں۔
- پورے ملک میں تمام گاؤں و گوٹھ ریگولر کر کے تمام شہریوں کو مالکانہ حقوق دیے جائیں۔
- پورے ملک میں زرعی وغیرہ زرعی زمین کا ریکارڈ کمپیوٹرائز کر کے ویب سائٹ کے ذریعے عام لوگوں تک رسائی ممکن بنائی جائے۔
- زراعت میں استعمال ہونے والے ماحول و زراعت دشمن بیج، کھاد اور کیمیائی ادویہ کی کھپت کو روکنے کے لئے قانون سازی کر کے پانی و قدرتی وسائل کو تباہی سے بچانے کے لئے زرعی پیداوار کے ماحول دوست و پائیدار طریقے رائج کیے جائیں۔
- ملک میں ہر سطح پر خصوصی طور پر "ٹیل اینڈ" پر پانی کی منصفانہ تقسیم اور رسائی کو یقینی بنایا جائے۔
- بااختیار لینڈ یوٹیلائزیشن کے ذریعے ہر طرح کی کمرشلائزیشن کو روک کر زمین کا صرف پیداواری مقصد کے لئے استعمال یقینی بنایا جائے۔
- ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام سیاسی جماعتیں اس اعلان نامے کو نہ صرف اپنے منشور میں شامل کریں بلکہ اس پر عمل درآمد کو بھی یقینی بنائیں۔

شکریہ: روزنامہ ایکسپریس

انتخابات میں خواتین کی شمولیت

بھی اہم ہے کہ ماضی کی طرح ان انتخابات میں بھی صوبہ سرحد کے متعدد علاقوں، شمالی سندھ، سرگودھا، میانوالی اور بیشتر قبائلی علاقہ جات میں عورتوں کو حق رائے دہی استعمال کرنے سے روکا گیا۔ اس رجحان کے سدباب کے لئے الیکشن کمیشن کو واضح اصول مرتب کرنے پڑیں گے کہ جن علاقوں میں عورتوں کو ووٹ ڈالنے سے روکا گیا ہو ان کا نتیجہ کالعدم قرار دیا جائے گا۔ مگر اس الیکشن میں ایک خوش آئند بات یہ بھی دیکھنے میں آئی کہ جنوبی وزیرستان کے مرکزی شہر وانا میں پہلی مرتبہ خواتین کو ووٹ ڈالنے کی اجازت ملی اور انہوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ خواتین اور اقلیتوں کی مخصوص نشستوں کے پر کیے جانے کے بعد عورتوں کی کل تعداد سامنے آئے گی۔ امید ہے کہ عوام کی اکثریتی رائے سے بننے والی ایک مضبوط اور منظم حکومت کی سرپرستی میں یہ ارکان اسمبلی نہ صرف خواتین کے حقوق بلکہ تمام اہم قومی امور سے متعلق قانون سازی میں فعال کردار ادا کریں گی۔

(ہفت روزہ ہم شہری 29 فروری 2008ء)

ایک خط—جبر و ستم کا شکار یا ریاست بہاول پور

قارئین، یہ خط ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ، پاکستان کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر محمد تحسین کو بہاولپور سے موصول ہوا جسے ہم آپ کی نذر کر رہے ہیں:

28 جنوری 2008کو ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان نےسیاسی پارٹیوں کے ساتھ ڈائلاگ کا اہتمام کا کیا جس میں سب سیاسی پارٹیوں نے دیہی مزدوروں، چھوٹے کسانوں، اقلیتوں اور عورتوں کے لئے احسن اقدام کے حوالے سے آئندہ کے لئے اپنا اپنا منشور پیش کیا اور دوسرے صوبوں سے آئے ہوئے لوگوں نے اپنے اوپر ہونے والے ظلم و زیادتی کا ذکر بھی کیا جو ان پر ریاستی حکمرانوں کی طرف سے ہو رہا ہے بالکل ایسے ہی جیسے جبر و ستم کی شکار ریاست بہاول پور ہے۔

کہتے ہیں 14 اگست 1947۔ پاکستان کی آزادی کا دن تھا لیکن بہاولپور ریاست پہلے سے آزاد تھی مگر 14 اگست 1947ء سے ریاست بہاول پور اپنی آزادی کے ساتھ ساتھ اپنی تہذیب و تمدن اور اپنی روایات کو قربان کر کے عملاً پاکستان کی غلامی میں شامل ہو گئی مگر افسوس اس قربانی کے صلہ میں بیورو کریسی اور سیاست دانوں نے ہمیں غیر منصفانہ معاشی، سماجی نظام، غربت، دہشت گردی، برادری ازم، لسانیت پرستی اور اس قسم کی کئی محرومیاں دیں جبکہ 14 اگست 1947ء سے پہلے ریاست میں لوگ خوشحال تھے۔

امن، رواداری، پیار و محبت، سکون، انصاف غرض ہر وہ چیز موجود تھی جو آج کے ترقی یافتہ ممالک میں موجود ہے۔ میرے خیال میں اگر ریاست بہاولپور پاکستان میں شامل نہ ہوتی تو آج پاکستان کا وجود نہ ہوتا۔ ریاست بہاول پور نے پاکستان بننے کے بعد پاکستان کو کیا کچھ نہیں دیا (جس کی ایک لمبی فہرست ہے) مگر افسوس آج بہاول پور کی عوام یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ پاکستان نے انہیں کیا دیا:

- اس علاقے کی زمینیں مال غنیمت سمجھ کر مقامی کاشتکار اور دیہی مزدوروں کی بجائے فوج کو 280 روپے ایکڑ کے حساب سے دی گئیں؛
- یہاں کے جوانوں کو یونیورسٹی میں داخلے اور سرکاری ملازمتیں نہ ہونے کے برابر دی جاتی ہیں؛
- پورے پاکستان کے زرعی ریونیو میں 40 فیصد زرعی ریونیو دینے والے علاقہ پر 2 فیصد بھی ترقیاتی کاموں پر خرچ نہیں کیا جاتا؛
- یہاں کے لئے ترقیاتی فنڈ پہلے تو ملتے ہی نہیں اگر خوش قسمتی سے مل بھی جائیں تو باہر سے آئے ہوئے بیوروکریٹس اس علاقے پر خرچ کئے بغیر واپس سرکاری خزانے میں جمع کروا دیتے ہیں؛
- سر جی یہاں کے دریا کا پانی ایک آمر فوجی حکمران ہندوستان کو بیچ دیتا ہے اور دوسرا آمر فوجی حکمران جو تھوڑا بہت پانی اس خطہ کو ملتا ہے وہ اسے سیاسی رشوت کے طور پر سفاروق لغاری کو ق لیگ میں شامل ہونے پر دیتا ہے؛
- یہاں آج بھی اکسویں صدی میں اندرون چولستان ایک ٹوبے میں جہاں جانور" جن میں کتے اور گدھے شامل ہیں "پانی پی رہے ہیں وہیں سے انسان پانی پی رہا ہے؛
- یہاں پر آج بھی قرآن اور کبوتر سے عورتوں کی شادیاں ہو رہی ہیں؛
- آج بھی بغیر علاج کے لوگ مر رہے ہیں کیونکہ ہسپتال یا ڈسپنسری نہیں ہے؛
- کوئی بھی بنیادی ضرورت میسر نہیں ہے لیکن جب ووٹ لینے کا وقت آتا ہے تو باہر سے لوگ سرکاری مشینری استعمال کر کے انسانوں کو جانوروں کی طرح ہنکا کر ووٹ لیتے ہیں۔

سر جی مجھے معلوم ہے کہ ووٹ بہت قیمتی ہے مگر میں اسے ضائع کر رہا ہوں۔ لیکن کیا کروں یہ میرے دل کی آواز نہیں بلکہ اُن لاکھوں لوگوں کی آواز ہے جو لوگ یہاں رہتے ہیں۔ یہ ساری باتیں محترمہ بھٹو کے قتل کے بعد اب زیادہ نظر آ رہی ہیں کیونکہ ان کی پارٹی میں ایسے لوگ شامل تھے جو پارٹی کے لئے سب کچھ برداشت کر رہے تھے مگر اب——؟اس موقع پر مسافر صدیقی کا ایک شعر یاد آ رہا ہے:

زندگی جبر مسلسل کی طرح کاٹی ہم نے
نہ جانے کس جرم کی سزا پائی ہے یاد نہیں

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور زندگی کی خوشیاں نصیب کرے آمین

والسلام

فاروق احمد خان

چولستان ڈیویلپمنٹ کونسل آف پاکستان بہاول پور

عورتوں پر تشدد سے متعلق قوانین

پاکستانی معاشرے میں ہر سطح پر عورتیں مختلف قسم کے تشدد کا شکار ہوتی ہیں۔ پچھلے کئی سالوں سے تشدد کے ان واقعات میں تشویشناک حد تک اضافہ ہوا ہے۔ جس کی کئی وجوہات ہیں۔ جیسا کہ قانون اور اس پر عمل درآمد کا جھکاؤ مردوں کی طرف ہونا، سماجی دباؤ کے ذریعے عورتوں کو خاموش کرنا، عورتوں کا قانون سے بے خبر ہونا اور مجموعی طور پر تشدد کا شکار ہونے والی عورتوں کے متعلق معاشرے اور سیاسی اداروں کا غیر ہمدردانہ رویہ اس میں شامل ہے۔

تشدد کیا ہے؟

تشدد سے مراد طاقت کا وہ ناجائز استعمال جس میں جبر، جوش اور سختی شامل ہو۔ تشدد کی مختلف اقسام میں جسمانی، ذہنی، جنسی اور جذباتی تشدد شامل ہے۔ مثلاً قتل کرنا، مارنا، جلانا، آبرو ریزی کرنا، اجتماعی عصمت دری، تیزاب پھینکنا، غیرت کے نام پر قتل کرنا، عورتوں کو سر عام بے عزت کرنا، عورت کی تجارت اور زبردستی ان سے عصمت کروانا، گھر میں اور گھر سے باہر عورتوں کو ہراساں کرنا، تعلیم اور صحت کی سہولتوں سے محروم رکھنا، زبردستی شادی کرنا وغیرہ ایسی بے شمار مثالیں ہیں جو تشدد کے زمرے میں آتی ہیں۔ تشدد کسی بھی قسم کا ہو قابل سزا جرم ہے۔

گھریلو تشدد کیا ہے؟

اس سے مراد ہر وہ بدسلوکی ہے جو گھر اور خاندان میں کی جاتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ بہت عام ہے۔

حملہ ہونے کی صورت میں عورت کو کیا کرنا چاہیے؟

1۔ عورت کو فوراً ایف۔ آئی۔ آر درج کرانی چاہیے۔

2۔ طبی معائنہ کرانا چاہیے۔

3۔ آبرو ریزی اور جنسی جرائم حملہ کی رپورٹ درج کراتے وقت عورتوں کو بہت محتاط رہنا چاہیے کیونکہ مروجہ قوانین (حدود آرڈیننس کے مطابق) آبرو ریزی کو زنا میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ حد کے جرم کو ثابت کرنے کے لئے 4 چشم دید، متقی، پرہیزگار، سچے بالغ مرد مسلمانوں کی گواہی کی ضرورت ہوگی۔ اگر ملزم غیر مسلم ہو تو غیر مسلموں کی بھی گواہی پیش کی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ سچے اور پرہیزگار ہوں۔

رشتہ داروں کے تشدد کرنے کی صورت میں

اگر کسی عورت پر اس کے رشتہ دار تشدد کریں تو وہ ملزم آنے پر رپورٹ درج کرا سکتی ہے۔ طبی معائنہ کرانا چاہیے۔ عموماً پولیس اور عدالتیں ایسے جرائم کو گھریلو تنازعات شمار کرتے ہیں۔ اگر پولیس ایف۔ آئی۔ آر درج نہ کرے تو ڈسٹرکٹ ایڈیشنل سیشن جج یا ہائی کورٹ میں رٹ کر سکتی ہے۔

گھریلو تشدد کی رپورٹ

گھریلو تشدد کے بارے میں عمومی رویہ یہ ہے کہ یہ جرم نہیں اور گھر کا اندرونی معاملہ ہے جس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔ لیکن قانون میں ایسا کوئی فرق نہیں۔ ہر وہ تشدد جرم کے زمرے میں آتا ہے چاہے وہ گھر کے اندر گھر والوں کے ہاتھوں یا گھر سے باہر والوں یا کسی غیر کے ہاتھوں ہو جرم ہے۔ اس جرم کی رپورٹ درج کرانی چاہیے اور ضرورت پڑنے پر طبی معائنہ بھی کرانا چاہیے۔

اگر پولیس رپورٹ درج نہ کرے

اگر پولیس رپورٹ درج کرنے سے انکار کرے تو

1۔ اعلیٰ پولیس افسروں سے رجوع کرے۔

2۔ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹ یا ہائی کورٹ میں رٹ کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ پولیس ہر اس جرم کی رپورٹ درج کرنے کی پابند ہے جو اس کے علم میں لایا جائے۔

ایف۔ آئی۔ آر یا ابتدائی اطلاعی رپورٹ

ایف۔ آئی۔ آر سے مراد ہے کہ کوئی شخص تھانے میں آ کر اطلاع درج کروائے کہ فلاں جگہ فلاں قابل یا ناقابل دست اندازی پولیس جرم وقوع پذیر ہوا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ پولیس جرم کی تفتیش کرے۔

گرفتاری

اپنی گرفتاری کی وجوہات جاننا ہر کسی کا بنیادی حق ہے گرفتاری دو طریقوں سے عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

1۔ جب پولیس کو اطلاع ملتی ہے کہ کسی نے کوئی جرم کیا ہے اور اس کی نتیجے میں ایف۔ آئی۔ آر درج کی جائے۔

2۔ نظر بندی گرفتاری کی دوسری قسم ہے۔ اس کے مطابق اگر حکومت حقیقتاً سمجھتی ہے کہ کسی ایسے فعل کا منصوبہ بنایا گیا ہے جس سے ملکی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے یا امن وامان کی صورت میں خراب ہو سکتی ہے تو مشتبہ افراد کو نظر بند کیا جا سکتا ہے۔

عورت کی گرفتاری اور تفتیش

مجموعہ ضابطہ فوجداری اور پولیس قواعد میں عورتوں کی گرفتاری، تلاشی، حراست میں رکھنے والے اور ان سے تفتیش کے متعلق درج ذیل پابندیاں اور ہدایات موجود ہیں:

☆ کسی بھی عورت کو مقدمہ درج کئے بغیر تھانے نہیں بلایا جا سکتا چاہے عورت ملزمہ ہو، مشتبہ یا گواہ ہو۔

☆ کسی عورت کو اے۔ ایس۔ آئی سے کم عہدہ کا افسر (ماسوائے خصوصی حالات کے) گرفتار نہیں کر سکتا۔

☆ گرفتاری کے بعد پولیس کے لئے ملزم گھنٹے کے اندر مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنا لازمی ہے۔

☆ کوئی مرد اہلکار کسی عورت کی تلاشی نہیں لے سکتا۔

☆ کسی عورت کو رات بھر پولیس اسٹیشن میں نہیں رکھا جا سکتا۔

☆ کسی قابل ضمانت جرم میں عورت کو اتنی وقت سے زیادہ روکا نہیں جا سکتا جتنا وقت ضمانت نامہ اور ضامنوں کو پیش کرنے کے لئے درکار ہو۔

☆ ماسوائے قتل ڈکیتی کے مقدمات ملزمہ عورت کو پولیس کی تحویل میں نہیں دے سکتے اور اسے جوڈیشل حوالات بھیجنا یا اس کی ضمانت لینا ضروری ہے۔

☆ زنانہ پولیس ہی زیر تفتیش عورت سے پوچھ گچھ کر سکتی ہے اور وہ ہی ملزمہ کو اگر جیل سے باہر لے جانا ہو تو لے جا سکتی ہے۔

☆ ملزمہ عورت کو اگر تفتیش کے لئے جیل سے باہر لے جانا ضروری ہو تو تھانے کا انچارج آفیسر یا ایسا تفتیشی آفیسر جس کا عہدہ سب انسپکٹر سے کم نہ ہو مجسٹریٹ کی اجازت حاصل کرنے کے لئے درخواست دیتا ہے۔ ایسی درخواست پر مجسٹریٹ ضروری وجوہات تحریری کرنے کے بعد مقررہ کردہ زنانہ پولیس آفیسر حفاظت جیل سے باہر لے جانے کی اجازت دے سکتا ہے۔

☆ کسی بھی صورت حال میں ملزمہ کو پولیس کی تحویل میں غروب آفتاب کے دوران جیل سے باہر نہیں رکھا جا سکتا۔

وارنٹ اور بغیر وارنٹ کی گرفتاری

1۔ اگر کسی کے خلاف معمولی جرم کے الزام میں ایف۔ آئی۔ آر درج کی جائے تو پولیس وارنٹ کے بغیر گرفتاری عمل میں نہیں لائی جا سکتی۔ اس کے لئے پہلے کسی مجسٹریٹ سے وارنٹ حاصل کرنا ہوگا۔

2۔ قتل، آبرو ریزی، زنا، راہزنی یا شدید زخمی یا کوئی اور سنگین جرم ہوا ہو تو پولیس بغیر وارنٹ کی گرفتاری عمل میں لا سکتی ہے۔

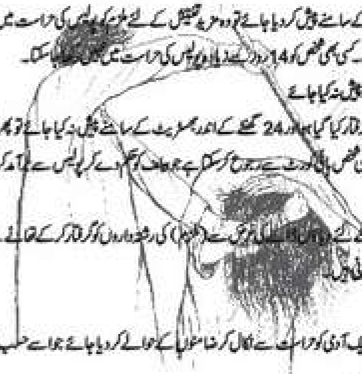

ریمانڈ

جب ملزم کو کسی مجسٹریٹ کے سامنے پیش کر دیا جائے تو وہ مزید تفتیش کے لئے ملزم کو پولیس کی حراست میں رکھنے کا حکم دے سکتا ہے۔ اسے ریمانڈ کہتے ہیں۔ کسی بھی شخص کو 14 روز سے زیادہ پولیس کی حراست میں نہیں رکھا جا سکتا۔

ملزم کو مجسٹریٹ کے سامنے پیش نہ کیا جائے

اگر کسی کو وارنٹ کے بغیر گرفتار کیا گیا ہو اور 24 گھنٹے کے اندر مجسٹریٹ کے سامنے پیش نہ کیا جائے تو پھر یہ گرفتاری غیر قانونی ہوگی۔ اس کے لئے کوئی بھی شخص ہائی کورٹ سے رجوع کر سکتا ہے جو حاضر کا حکم دے کر پولیس سے بازپرس کر سکتی ہے۔

رشتہ داروں کی گرفتاری

پولیس ملزم کو پیش ہونے کے لئے دباؤ ڈالنے کی غرض سے (ملزم) کی رشتہ داروں کو گرفتار کر کے تھانے لے جاتی ہے۔ پولیس کی ایسی کاروائیاں غیر قانونی ہیں۔

ضمانت کیا ہے؟

ضمانت کا مطلب ہے کہ ایک آدمی کو حراست سے نکال کر ضامن کے حوالے کر دیا جائے جو اسے حسب الطلب عدالت میں پیش کرنے کے ذمہ دار ہو۔

بشکریہ: ہمائے عصر

تعمیر استعداد

علاقے کی صورتحال سے عدم واقفیت ..... اکثریت کی عدم شمولیت ..... وسائل میں کمی ..... علاقے میں ہنرمند لوگوں کا فقدان ..... عورت کو کمتر اور ناقابل سمجھنا ..... آپس کے تنازعات ..... بہت زیادہ وعدے کرنا ..... کمیٹی کی مصروفیات سے لاعلمی ..... موبلائزر کا رویہ ..... غلط منصوبہ سازی ..... موبلائزر کی مناسب تیاری نہ ہونا ..... رسم و رواج ..... این جی اوز کے خلاف منفی پروپیگنڈہ .....

ان مشکلات کا کیا حل ہو سکتا ہے؟

مکمل معلومات رکھتا ہو ..... موجودہ حالات سے آگاہی ..... مقامی زبان پر عبور ..... اپنے مقاصد سے مکمل طور پر آگاہ ہو ..... موسمیاتی کیلنڈر کے مطابق فارغ وقت میں لوگوں سے ملے ..... لوگوں کو قائل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو ..... لوگوں کی رائے کا احترام کرے ..... لوگوں کو چناؤ اور انتخاب کا موقع دیا جائے ..... غیر جانبدار اور تحمل مزاج ہو ..... لوگوں کا اعتماد بحال کرنے کیلئے متواتر میٹنگز کی جائیں ..... میٹنگ کے وقت کا تعین لوگوں کی مرضی سے کیا جائے ..... زیادہ سے زیادہ لوگوں کو منظم کرنا اور گروپ بنانا ..... بذریعہ تھیٹر، سیمینار، میڈیا کے ذریعے لوگوں کو آگہی فراہم کرنا ..... خواتین کی اہمیت کو اجاگر کرنا ..... مختلف ترقیاتی اداروں میں خواتین کی شمولیت کو یقینی بنانا ..... سرکاری اداروں کیساتھ مثبت رابطہ کاری ..... تمام شراکت داروں کو ساتھ لیا جائے تاکہ وہ کسی حد تک آپ پر اعتماد کریں ..... پمفلٹ تھیٹر کے ذریعے لوگوں میں آگاہی پیدا کرنا ..... سیمینار اور ریلیاں منعقد کرنا ..... لوگوں کو اعتماد میں لینا ..... وسائل کی ترسیل ..... ترتیبی ورکشاپ کا انعقاد ..... سرکاری ملازمین کی تربیت ..... کمیٹی کی مصروفیات کا چارٹ بنانا ..... موبلائزر اپنے رویے کے ذریعے لوگوں میں اعتماد بحال کرے ..... دستیاب وسائل میں کام کو مکمل کرنا ..... لوگوں کی رائے کا احترام ..... خواتین موبلائزر کی زیادہ سے زیادہ تربیت ..... خواتین کی شمولیت کو یقینی بنانے کیلئے انکے ساتھ علیحدہ میٹنگ کا انعقاد کرنا اور مردوں کو اس حوالے سے قائل کرنا

استحصالی ڈرامہ.....

گزرے کتنے ماہ و سال ختم ہوا نا استحصال
محنت کشوں، کسانوں کا جینا ہوا ہے سخت محال
بجلی، پانی، گیس نہیں اور پڑا آٹے کا کال
روٹی روزی کے چکر میں جیون بنا ہے اک جنجال
پھر ووٹوں کے موسم میں آئے سرمایہ دار
جاگیروں کے مالک لائے ڈھونگ کے انبار
روٹی دیں گے، کپڑا دیں گے، دیں گے کاروبار
جنرل، میاں، ملاء سب لوٹ میں ساجھے دار
یہ ظالم ہیں، یہ جھوٹے ہیں ان کی بات نہ مانو
محنت کشوں کے دشمن ہیں یہ، دشمن کو پہچانو
سارے ظلم پرانے بھول کے گائیں نئے ترانے
آؤ ہم مل جل ڈھونڈ کر لائیں نئے زمانے

اظہر منیر

انتخابات میں خواتین کی شمولیت
عام نشستوں پر عورتوں کی کامیابی ایک نئے رجحان کی دلیل

تحریر: عشرت سلیم

سیاسی عمل میں عورتوں کی شمولیت ان کو بااختیار بنانے، ان کے نقطہ نظر کو قومی سطح پر اجاگر کرنے اور پالیسی سازی کے لئے بہت اہم ہے۔ اگرچہ پرویز مشرف کی حکومت کو پچھلے چند ماہ کے دوران آئین اور قانون کی خلاف ورزی میں اقدامات کرنے پر بہت تنقید کا سامنا ہے مگر انہوں نے اپنی حکومت کے دوران بہت سے ایسے اقدامات بھی کیے جنہوں نے خواتین کے سیاست کے عمل اور حکمرانی میں شمولیت کی راہ ہموار کی ہے۔ اپنی حکومت کو جواز فراہم کرنے اور سول سوسائٹی کی خوشنودی برقرار رکھنے کے لئے حکومت نے 2000ء کے بلدیاتی انتخاب کے لئے 33 فیصد انسانی نشستیں مختص کیں۔ 2002ء کے عام انتخابات کے لئے قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں تقریباً 17.5 فیصد نشستیں مختص کیں۔ اس پر اختلاف موجود ہے کہ بغیر کسی حلقے سے انتخاب اور پارٹی کی نامزدگی کے ذریعے مخصوص نشستوں پر آنے والی خواتین قانون سازی میں کیا کردار ادا کر سکتی ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ سیاسی جماعتوں میں مخصوص نشستوں پر نامزدگی کرتے وقت کسی اصول کی پابندی نہیں کی جاتی اور اہل پارٹی ورکرز کی بجائے پارٹی کے اعلیٰ عہدیداروں کی خواتین رشتہ داروں کو نامزد کر دیا جاتا ہے۔ حلقہ اور ذاتی اثر ورسوخ نہ ہونے کی وجہ سے مخصوص نشستوں پر آنے والی عورتیں اپنی پارٹی کی مرہون منت ہوتی ہیں اور ان کی بڑی تعداد قانون سازی میں غیر متحرک رہتی ہے۔ مگر اس کی مخالف رائے یہ ہے کہ اس سے اس معاشرتی رجحان اور سوچ کو بدلنے میں بہت مدد ملی ہے کہ عورتیں فیصلہ سازی اور حکمرانی میں شریک نہیں ہو سکتیں۔ مزید برآں قانون ساز ادارے میں شمولیت سے عورتوں کو قانون سازی کے پیچیدہ عمل کا تجربہ ہوتا ہے اور وہ بعد میں عورتوں کے حق میں قانون سازی کی پیروی میں ایک بہتر ذریعہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ جو خواتین سیاست کو مستقل پیشے کے طور پر اپنانا چاہیں، مخصوص نشست پر انتخاب ان کی پہلی درسگاہ ثابت ہو سکتا ہے۔

برصغیر میں عورتوں کی سیاسی عمل میں شمولیت کی طویل تاریخ ہے۔ تحریک پاکستان میں عورتوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور قدامت پسند معاشرتی اقدار کے باوجود گلیوں اور سڑکوں پر آ کر ایک علیحدہ ملک کے لئے جدوجہد کی۔ پاکستان حاصل ہونے کے بعد بھی عورتیں متحرک رہیں مگر جمہوری اور سیاسی قوتوں میں کمزوری اور انحطاط کے نتیجے میں یکے بعد دیگرے آنے والی غیر جمہوری حکومتوں نے قدامت پسند مذہبی عناصر کو مضبوط کیا اور ان کو قومی امور پر فیصلہ سازی میں اہم جگہ دی۔ یہ بات کسی سے ڈھکی نہیں کہ مذہبی حلقوں کی محدود سوچ اور نظریے کے مطابق عورتوں کا مقام اور کردار گھر کی چار دیواری تک محدود ہے۔ انہوں نے اس سوچ کو مختلف قوانین اور پالیسی اقدام کے ذریعے ریاستی ڈھانچے میں منظم کیا اور معاشرے میں زن بیزاری کے رویے کو تقویت دی۔ حدود اور شہادت کے قوانین اس کی بدترین مثالیں ہیں۔ 1956ء سے لے کر اب تک عورتوں کی بہتری کے لئے تجاویز دینے کے لئے حکومت کی طرف سے بنائے جانے والے ہر کمیشن میں ایک مذہبی سکالر کو بٹھایا گیا۔ یہ اتفاق کی بات نہیں کہ ہمیشہ ہی مذہبی شخصیتوں نے اکثریت رائے سے مخالف رائے کا اظہار کیا اور مذہب کے نام پر عورتوں کے حقوق سے انکار کیا۔ جمہوری عمل میں تسلسل کا فقدان بھی آئین میں موجود عورتوں کی مخصوص نشستوں پر آمد کی راہ میں حائل رہا ہے۔

پاکستان میں ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہوا کہ عورتوں کے لئے قومی قانون ساز اداروں میں نشستیں مخصوص کی گئی ہیں۔ اگر ہم اپنی آئینی تاریخ کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ پاکستان کے پہلے آئین 1956ء میں دس سال کی مدت کے لئے عورتوں کے لئے دس نشستیں مختص کی گئی تھیں۔ ان نشستوں پر بلاواسطہ انتخاب کیا جانا تھا اور اس غرض سے حلقہ سازی بھی کی گئی تھی جن میں عورتوں کو دوہرا ووٹ حاصل تھا، ایک عام نشست کے لئے اور ایک عورتوں کی مخصوص نشست کے لئے۔ اس آئین کے تحت کبھی الیکشن نہیں کروائے گئے۔ 1962ء کے آئین میں عورتوں کے لئے چھ نشستیں مختص کی گئیں، مشرقی اور مغربی پاکستان دونوں کے لئے تین تین۔ 1970ء کے انتخابات سے پہلے لیگل فریم ورک آرڈر 1969ء کے ذریعے کل ملا کر عورتوں کے لئے 13 نشستیں مختص کی گئیں، سات مشرقی پاکستان کے لئے اور چھ مغربی پاکستان کے لئے۔ مشرقی پاکستان علیحدہ ہونے کے بعد 1972ء میں آنے والی قومی اسمبلی میں مغربی پاکستان کی چھ نشستوں پر خواتین کو لایا گیا اور پہلی مرتبہ ایک خاتون کو اسمبلی کی ڈپٹی سپیکر مقرر کیا گیا۔ 1973ء کے آئین میں عورتوں کے لئے قومی اسمبلی میں دس سال کی مدت یا دوسرے عام انتخابات (جو بھی پہلے آئے) تک دس نشستیں مخصوص کی گئی تھیں۔ اس آئین کے تحت ہونے والے 1977ء کے انتخابات میں پہلی خاتون عام نشست سے پی این اے کے ٹکٹ پر منتخب ہوئی مگر بعد میں پیپ اور پی این اے کے بائیکاٹ کی وجہ سے اپنا حلقہ نہ اٹھا سکی۔ جولائی 1977ء میں ضیاء الحق نے حکومت کا تختہ الٹ کر مارشل لاء نافذ کر دیا۔ 1985ء کے انتخابات سے پہلے 1973ء کے آئین میں عورتوں کی مخصوص نشستوں کی شق میں ترمیم کر کے ان کی تعداد دگنی کر دی گئی اور اس کی مدت کو تیسرے عام انتخابات تک بڑھا دیا گیا۔ اس طرح قومی اسمبلی میں 20 عورتیں مخصوص نشستوں پر آئیں۔ اس کے علاوہ دو عورتیں عام نشست پر منتخب ہو کر آئیں، مگر یہ اسمبلی 1988ء میں تحلیل کر دی گئی۔ 1988ء کے عام انتخابات کے نتیجے میں 20 عورتیں مخصوص نشستوں پر جبکہ چار عام نشستوں پر منتخب ہو کر آئیں۔ 1990ء کے انتخابات میں مخصوص نشستوں کی شق کی مدت ختم ہو گئی جس کی وجہ سے عام نشست پر انتخاب کے ذریعے صرف دو خواتین ہی قومی اسمبلی میں آسکیں۔ اسی طرح 1993ء کے عام انتخابات میں صرف چار اور 1997ء میں چھ عورتیں منتخب ہو سکیں۔ اس کی بڑی وجوہات سیاسی جماعتوں کا عورتوں کو ٹکٹ دینے میں جھجک اور خود عورتوں میں اعتماد کا فقدان اور حلقے میں انتخابی مہم چلانے کے سلسلے میں پارٹی اور اپنے خاندان کی طرف سے مدد اور حمایت کی کمی تھی۔

"قومی اسمبلی کے لئے 64 خواتین نے عام نشستوں پر انتخاب لڑا اور ان میں سے 15 نے کامیابی حاصل کی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ 64 میں سے سات خواتین نے دو دو نشستوں پر انتخاب لڑا۔"

2002ء کے بعد صورت حال یکایک تبدیل ہو گئی اور مخصوص نشستوں پر ساٹھ اور عام نشستوں پر بارہ خواتین منتخب ہو کر آئیں۔ اس کے علاوہ ایک خاتون اقلیتوں کی مخصوص نشستوں پر آئی۔ اس طرح قومی اسمبلی میں 73 خواتین کے ساتھ پاکستان تمام اسلامی دنیا، جنوبی ایشیا اور بیشتر ترقی یافتہ ممالک سے بہت آگے نکل گیا۔ سینیٹ اور صوبائی اسمبلیوں میں بھی تقریباً 17 فیصد مخصوص نشستوں پر خواتین آئیں۔ اس کا سہرا عورتوں اور انسانی حقوق کے لئے کام کرنے والی تنظیموں کے سر جاتا ہے جنہوں نے مسلسل جدوجہد سے ایک ملٹری حکومت کو اپنی رائے ماننے پر مجبور کیا۔ مگر عورتوں کی اتنی بڑی تعداد کو مخصوص نشستوں پر لانے کا ایک مقصد یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ حلقوں کے بغیر بالواسطہ انتخاب کے ذریعے آئے ارکان اسمبلی پر اثر انداز ہونا فوجی حکومت کے لئے آسان تھا۔ گزشتہ حکومت چونکہ جماعتی حکمرانی کے شدید بحران سے دوچار تھی اور طاقت کا مرکز ایوان صدر اور ملٹری جنرل ہیڈ کوارٹر تھا اور اسی فوجی حکومت کی مرہون منت مذہبی جماعتوں کا جم غفیر قومی اسمبلی اور سرحد کی حکومت پر قابض تھا، اس لئے اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود عورتیں کچھ خاص سرگرمی کا مظاہرہ نہ کر سکیں۔ مگر اب صورت حال تبدیل ہوتی نظر آتی ہے اور عورتوں کی مخصوص نشستوں کے ثمرات ابھرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

فروری میں ہونے والے 2008ء کے الیکشن میں متعدد خواتین نے عام نشستوں پر امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیا۔ اگرچہ ان کی کامیابی کا تناسب کم ہے، مگر اس سرگرمی سے ان کے مستقبل میں اس شعبے میں آنے کے امکانات روشن ہوئے ہیں جو ماضی میں ان کے لئے ممنوعات میں شمار کیا جاتا تھا۔ قومی اسمبلی کے لئے 64 خواتین نے عام نشستوں پر انتخاب لڑا اور ان میں سے 15 نے کامیابی حاصل کی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ 64 میں سے سات خواتین نے دو دو نشستوں پر انتخاب لڑا۔ صوبائی اسمبلیوں میں صورت حال اور بھی حوصلہ افزا ہے کیونکہ چاروں صوبوں سے بڑی تعداد میں عورتوں نے عام نشستوں پر انتخاب میں حصہ لیا۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان کی جاری کردہ فہرست کے مطابق صوبائی اسمبلیوں کے لئے کل ملا کر 116 خواتین نے انتخاب لڑا جن میں سے پنجاب سے 72، سندھ سے 24، سرحد سے 11، جبکہ بلوچستان سے 9 خواتین انتخابات میں امیدوار تھیں۔ ان میں بلوچستان اور سندھ اسمبلی سے ایک ایک اور پنجاب اسمبلی سے 9 خواتین کامیابی حاصل کر سکیں۔ ہارنے والی بڑی شخصیات میں سابق وفاقی وزیر زبیدہ جلال، سیدہ عابدہ حسین اور پاکستان پیپلز پارٹی شہید بھٹو کی چیئر پرسن غنویٰ بھٹو شامل ہیں۔ اگر پاکستان کی انتخابی تاریخ کو دیکھا جائے تو یہ ایک انقلاب سے کم نہیں اور اس بات کا ثبوت ہے کہ درست اقدام کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر

بقیہ صفحہ 6 پر

نوٹس داخلہ

میٹرک پاس / زیر تعلیم یافتہ خواتین کے لئے چھ ماہ کی مدت کا اکتیسواں کورس یکم جولائی 2008ء سے شروع ہو رہا ہے، جس میں اجتماعی ترقی (کمیونٹی ڈویلپمنٹ) صحت عامہ، بہبود آبادی، ہوم سکول، کونسلنگ، ہیلتھ، کمپیوٹر اور دیگر ہنر و فنون کی نظریاتی و عملی تربیت دی جاتی ہے۔ پاکستان کے تمام علاقوں بشمول آزاد کشمیر کی خواتین جن کی عمر 18 سے 35 سال ہو اہل ہیں، درخواستیں 16 جون 2008ء تک درج ذیل پتہ پر ارسال کریں۔ کل نشستیں 50 ہیں۔ چند نشستیں لاہور شہری خواتین کے لئے مختص ہیں، پسماندہ علاقوں کی خواتین کو ترجیح دی جائے گی۔ تربیت یافتہ خواتین سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں ملازمت کی اہل اور گھر میں چھوٹے پیمانے پر کاروبار کر سکیں گی۔ بیرون لاہور (شہر) کی خواتین کو ہاسٹل میں رہائش و خوراک کی سہولت ہو گی۔

انٹرویو: لاہور شہر کی خواتین کا انٹرویو 28 جون 2008ء بروز ہفتہ اور باقی تمام درخواست دہندگان کا انٹرویو 30 جون 2008ء بروز پیر صبح 9 بجے شروع ہو گا۔ اصل تعلیمی و دیگر اسناد ہمراہ لائیں۔

نوٹ: یتیم اور نادار طالبات کے لئے کفالت کی سہولت اور ٹیوشن فیس میں رعایت ہو سکتی ہے۔

پرنسپل اکیڈمی خواتین کمیونٹی ورکرز
فیملی ویلفیئر کوآپریٹو سوسائٹی اسلام پورہ (کرشن نگر) نیلی بار موڑ لاہور
فون 735629/7238406

قارئین سے التماس

گزارش ہے کہ آپ اس شمارے میں دی گئی معلومات کے بارے میں اپنی رائے سے نوازیں۔ مزید یہ بھی کہ "چانن" آپ کا اپنا شمارہ ہے لہٰذا اگر آپ اس میں اپنی کوئی تحریر شامل کرنا چاہیں تو ساؤتھ ایشیا پارٹنرشپ پاکستان کے پتہ پر ارسال کریں۔

ساؤتھ ایشیا پارٹنرشپ پاکستان کی ویب سائٹ میں چانن کا ویب لنک۔
http://sappk.org/chanan.htm
chanan@sappk.org

رابطہ کیلئے: ایڈیٹر ماہنامہ چانن ساؤتھ ایشیا پارٹنرشپ پاکستان، حبیب میموریل ٹرسٹ بلڈنگ، لاہور۔
فون: 06-05 ,03-5311701 (42) فیکس: 5311710 (42) ای میل: info@sappk.org
ایڈیٹر شبنم رشید Email: shabnam@sappk.org
کمپوزنگ - کمپیوٹر گرافکس ثناء احسان
لے آؤٹ ڈیزائننگ اینڈ پرنٹنگ سپروائزر محبوب علی